8/6

ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیادگار

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۵؍جون ۱۹۶۲ء

ہدیہ ۲۵ پیسے

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین © لاہور

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ یُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ۔

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ:۔ ابوالدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایماندار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جبتک کسی کا خونِ ناحق اپنے سر نہیں لیتا جونہی کہ اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔

تشریح:۔ قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطہ سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیا پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرمالیتی ہے اس کو بھی دفعتہً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرمالیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں۔ بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جاتے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے اسلئے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بد اطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوشمند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عمداً قاتل کے لئے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہا کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو۔ اور آخرکار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہے جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہئے بعض قسم کے گناہوں سے سوءِ خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عمداً خون ناحق ہے۔ اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیا کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے اعلانِ جنگ کا لفظ آیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

۲۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِسْتَاْذَنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّہٗ اَنْ یَّکُوْنَ یُصَلِّیْ فَقَالَ خَالِدٌ وَکَمْ مِنْ مُّصَلٍّ یَّقُوْلُ بِلِسَانِہٖ مَا لَیْسَ فِیْ قَلْبِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اُؤْمَرْ اَنْ اَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَہُمْ

(متفق علیہ وہو فی البخاری مفصلا ایضا)

ترجمہ:۔ ابو سعید خدری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ آپؐ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا (دیکھو کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو۔ خالدؓ بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں' آپؐ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کرکے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔

تشریح:۔ حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیّتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جبتک ایک شخص اسلامی احکام بجا لا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لئے آپ نے فرمایا۔ جبتک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیتہً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آسکتا ہے اور اگر خدا نہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائیگا۔ رواداری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا۔ جو دماغوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیاد باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیاد باطن کی روح پیدا کرکے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اسکا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

فون نمبر ۶۷۵۴۵

جلد ۷	۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۶۲ء	شمارہ ۶

شرح چندہ

پاکستان و ہندوستان	سعودی عرب، ایران، کویت، ملایا، ہانگ کانگ، افریقہ، انگلینڈ
سالانہ:۔ گیارہ روپے	سالانہ:۔ عام ڈاک سے
ششماہی:۔ چھ روپے	۱۸ روپے ۷۰ پیسے
سہ ماہی:۔ تین روپے	ہوائی ڈاک سے:۔ ۵۴ روپے
فی پرچہ:۔ ۲۵ پیسے	

امریکہ:۔ عام ڈاک سے ۲۴ روپے۔ ہوائی ڈاک سے ۸۰/۸۳ روپے

بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کیلئے پرچہ جاری نہیں کیا جائیگا۔

نیا سال، نئی حکومت اور نئی پارلیمنٹ

تقریباً ساڑھے تین سال کے بعد پاکستانی سیاسیات نے پلٹا کھایا ہے۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جب کہ پاکستانی اسمبلیوں میں مار پیٹ، ایک دوسرے کی تذلیل، اقتدار کے لئے کشمکش اور جنگ زرگری جاری تھی کسی بھی ممبر یا پارٹی کے سامنے ملک کے استحکام یا ترقی کا سوال نہ تھا۔ ہر ایک دوسرے کو گرا کر خود مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کا خواہش مند تھا۔ ملک کے ہر فرد کی زبان پر ایک ہی سوال تھا کہ "پاکستان کا کیا بنے گا؟"

حالات یہ تھے اور وزراء ڈانس کی محفلوں کی سرپرستی میں منہمک تھے۔ راگ رنگ کی مجالس شباب پر تھیں۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ عدالتی کارروائیوں پر جمود طاری تھا، غریب کی آواز صدا بصحرا تھی۔ کوئی اس پر کان نہ دھرتا تھا۔ ہر ماتحت اور افسر اپنی جگہ صدر مملکت بنا بیٹھا تھا۔ اور کسی کو کسی کا کوئی ڈر نہ تھا۔

عوام کے اس سوال کا جواب "پاکستان کا کیا بنے گا" قدرت نے فوجی حکومت کی صورت میں دیا۔ نااہلوں کو برطرف کیا گیا، افسروں کی سکریننگ ہوئی۔ ظالموں کو کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔ ہر کہ ومہ کو فوجیوں کے اشارۂ چشم و ابرو پر رقص کرنا پڑا اور ساڑھے تین سال تک یہی کچھ ہوتا رہا۔

فوجی حکومت نے رشوت کے انسداد کے لئے بڑی کوشش کی۔ مگر یہاں آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ رشوت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اگر پہلے دس روپے میں کام چل جاتا تھا تو اب ہزار روپے کے بغیر کام نکالنا مشکل ہو گیا۔ فوجی حکومت نے معاشرے کی اصلاح کے نعرے لگائے مگر طاؤس و رباب اور ناچ گانے کی مجالس میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ سماج دشمن افراد کو خوب سزائیں دی گئیں۔ مگر ان کا قلع قمع نہ ہو سکا۔ سیاست خارجہ کی درستگی کے لئے جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا فوجی حکومت نے کیا۔ اور صدر مملکت نے امریکہ کو راہِ راست پر لانے کے لئے وہ کچھ کیا کہ اس سے زیادہ ناممکن ہے۔ مگر امریکہ کی پالیسی

با مسلماں اللہ اللہ

با برہمن رام رام

کے اصول پر ہی کاربند رہی وہ پاکستان کا بھی حلیف بنا رہا اور ہندوستان سے دوستی میں بھی اُس نے فرق نہ آنے دیا۔ بلکہ رشتۂ محبت کچھ زیادہ ہی بھارت سے بڑھا لیا۔ چنانچہ ہندوستان اور افغانستان دونوں سے ہمارے تعلقات اَلْآنَ کَمَا کَانَ ہی رہے بلکہ پہلے سے زیادہ خراب ہو گئے — ہاں ایک نئی بات ضرور ہوئی۔ پاکستان اور چین ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور دونوں ممالک کشمیری سرحدات کے بارہ میں کسی سمجھوتے پر پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہندوستان کے لئے یقیناً یہ پریشانی کا باعث ہے۔ اور اب وہ بوکھلا اٹھا ہے۔

یہ محرم کا مہینہ ہے۔ اسلامی سال کا آغاز اسی ماہِ مبارک سے ہوتا ہے۔ نئے سالِ ہجری میں نئی پارلیمنٹ اور نئی اسمبلیوں کے اجلاس کا شروع ہونا نیک فال ہے — یوم عاشورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی تھی۔ خدا کرے کہ ہمارا ملک بھی دشمنانِ پاکستان کے نرغہ سے آزاد ہو۔ کشمیریوں کو بھارتی فرعونوں کے چنگل سے خلاصی نصیب ہو اور پاکستان کا ستارۂ اقبال نصف النہار پر چمکے۔

ہم نئی حکومت اور پارلیمنٹ کو کام شروع کرنے پر مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ یہ گوش گذار کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ اگر آپ نے خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے قرآنی قوانین کا ساتھ دیا۔ اور سنّتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کی — تو خداوند قدوس کی نصرتیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی دنیا میں بھی آپ سرخرو ہوں گے۔ اور آخرت میں بھی انعامات الٰہیہ سے سرفراز ہوں گے — اور اس کے برعکس اگر آپ نے خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کی تو نہ دنیا ہی بہتر ہو گی اور نہ آخرت ہی میں کوئی ثمرہ مرتب ہو گا۔

آپ حضرات کو قوم نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ آپ پر مذہب اور عوام کی طرف سے بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ اگر آپ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوئے۔ قانونِ الٰہی کا آپ نے احترام کیا۔ اسلامی شریعت کو اہمیت دی، دینِ حق کو مقصدِ حیات قرار دیا اور عوام کے جائز حقوق کا تحفظ آپ نے کیا۔ تو پھر آپ خود دیکھیں گے کہ کس طرح اللہ جل شانہٗ مسلمانوں کی بگڑی بناتے ہیں اور پاکستان کو اقوامِ عالم میں امتیازی مقام عطا فرماتے ہیں۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ عز و جلہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ عوامی نمائندوں نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہٗ کو علی الترتیب پارلیمنٹ اور مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے لئے منتخب کر کے اسلام دوستی کا ثبوت دیا ہے۔

ہم ارکانِ پارلیمان اور ممبرانِ صوبائی اسمبلی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات کے مشورے سے ملک کو صحیح اسلامی لائنوں پر چلانے کی کوشش کریں۔ تاکہ

وطنِ عزیز اور قوم پر

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں

کا

نزول ہو۔

وما علینا الا البلاغ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی

قاتلانِ حسینؓ کا عبرتناک انجام

چندیں اماں نداد کہ شب را سحر کند

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔ کوئی قتل کیا گیا کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔ یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ اُن کے اعمال کی اصلی سزا نہیں، بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتلِ حسینؓ اندھا ہو گیا

سبط ابن جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسینؓ کے قتل میں شریک تھا۔ وہ دفعتہً نابینا ہو گیا تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار ہے۔ اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے۔ اور اس پر قاتلانِ حسینؓ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسینؓ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگا دی میں صبح اٹھا تو اندھا تھا۔ (اسعاف)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسینؓ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اُس کے بعد اُسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول جیسا ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم تو سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے۔ تمہیں کیا ہوُا۔ اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا۔ جب ذرا سوتا ہوں۔ دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں۔ اور اس میں ڈال دیتے ہیں جو مجھے جھُلس دیتی ہے۔ اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابن جوزیؒ نے سُدّی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوُا اس کو دنیا میں بھی جلد ہی سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔ میں خود ان کے قتل میں شریک تھا۔ میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا جاتے ہی چراغ کی بتّی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھُن کر رہ گیا، سُدّی کہتے ہیں کہ مَیں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالےٰ نے ایسی پیاس مسلّط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی۔ پانی کتنا ہی پی جاتے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکتِ یزید

شہادتِ حسینؓ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوُا تمام اسلامی ممالک میں خونِ شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلّت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلّط اور تمام قاتلانِ حسینؓ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلانِ حسینؓ پر طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی، واقعۂ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلانِ حسینؓ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلّط ہو گیا اس نے اعلانِ عام کر دیا کہ قاتلانِ حسینؓ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے اور قاتلانِ حسینؓ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ ایک روز میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے کہ وہ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے۔ اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی۔

عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا۔ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ذبح کر دیا گیا۔

شمر ذی الجوشن جو حضرت حسینؓ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتّوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی۔ مالک بن بشیر بدی۔ حمل بن مالک کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست کی۔ مختار نے کہا۔ ظالمو! تم نے سبط رسول اللہؐ پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے۔ سب کو قتل کیا گیا۔ اور مالک بن بشیر نے حضرت حسینؓ کی ٹوپی اٹھائی تھی اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا۔ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیلؓ کے قتل میں اعانت کی تھی۔ ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمرو بن سعد جو حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر لشکر کی کمان کر رہا تھا اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا۔ اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا تو جانتا ہے یہ سر کس کا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ اور اس کے بعد

(باقی صـ۶ پر)

مجلس ذکر منعقدہ جمعرات ۳ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۷ جون ۱۹۶۲ء

جانشینِ شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی نے مجلسِ ذکر کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔

(نظر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ امّا بعد!

دوزخ کے گرد باڑ ہے خواہشاتِ نفسانی کی
اور
جنّت کے گرد باڑ ہے ناپسندیدہ طبع چیزوں کی

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوٰتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ

(رواہ بخاری)

ترجمہ:- ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ کو باڑ دی گئی ہے خواہشاتِ نفسانی کی اور جنّت کو گھیر دیا گیا ہے ناپسندیدہ طبع چیزوں کی باڑ سے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر انسان دنیا کی لذّت و شہوات کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ دوزخ میں جائے گا اور اگر رضائے الٰہی کی خاطر دنیا کی تکالیف و مصائب کا مقابلہ کرے گا۔ تن، من، دھن کی قربانی دے گا۔ سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے گا۔ تو جنّت میں جگہ پائے گا۔ اور ابدی آرام و راحت کے مزے لوٹے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر مختصر اور جامع الفاظ میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان فرما دی۔ زندگی کی راہیں متعیّن کر دیں۔ اور بتا دیا کہ جنت کی راہ کون سی ہے اور کن اسباب کی بناء پر دوزخ انسان کا ٹھکانہ بن سکتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف اور واضح طور پر فرما دیا ہے کہ جو شخص خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہے وہ دوزخی ہے اور جو ناپسندیدہ طبع کام کرنے والا ہے وہ بہشتی ہے۔

مثلاً سردی کے موسم میں صبح کی نماز کے وقت گرم گرم بستر سے اُٹھ کر وضو کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی — دل یہی کہتا ہے آرام سے سوئے رہو۔ اور خواب خرگوش کے مزے لُوٹو — ظاہر ہے اس وقت اٹھنا خلاف طبع ہے اور خواہش نفس کے خلاف — نفس یہی مشورہ دے گا — ذرا اور سو لیں — نماز کی کیا جلدی پڑی ہے — پھر کبھی پڑھ لینگے۔ اور اس طرح خواہشِ نفس غالب ہو کر آدمی کو جہنم کا ایندھن بنا دینے کا باعث بنے گی۔ لیکن اگر نفس کا کہا نہ مانا، اس کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور اس وقت گرم بستر کو چھوڑنے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی تکلیف برداشت کر لی، اپنی مرضی بالائے طاق رکھ کر خدا کی مرضی پر عمل کیا، راحت و آرام کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات کی قربانی کر دی تو یقیناً بہشت میں جگہ پائے گا۔

گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کے وقت دل یہی چاہے گا کہ سخت دھوپ ہے — آرام کر لو — ذرا ٹھہر کر نماز ادا کر لینا — اب اگر نفس کے پھانسے میں آگئے اور اس کے فریب میں مبتلا ہوگئے تو پہلے دن تو نماز دیر سے پڑھی جائے گی پھر قضا ہونی شروع ہو گی اور رفتہ رفتہ سرے سے نماز ہی جاتی رہے گی — اس کی توفیق ہی سلب ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ ہمیں غفلت اور فریب نفس سے محفوظ رکھے۔

محترم حضرات! آج کچھ معاملہ ہی الٹ چکا ہے۔ آپ اگر اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑائیں تو صاف نظر آئے گا کہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل، معاصی یا دوزخ میں لے جانے والے اعمال چونکہ لذّات و شہوات کا سامان مہیّا کرتے ہیں۔ لوگ پروانہ وار ان کی طرف لپک رہے ہیں۔ اور طاعات یا جنّت میں لے جانے والے ناپسندیدہ طبع اعمال نفسِ انسانی پر شاق اور گراں گذرتے ہیں اسلئے بہت کم لوگ اس کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

سینماؤں اور مساجد کی مثال آپ کے سامنے ہے — سینما ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرے پڑے ہیں — اور "مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے"۔

اب آپ ہی بتائیے یہ خدا کا غضب نہیں تو اور کیا ہے کہ بے حیائی عام ہے عریانی کا دَور دورہ ہے، ہرطرف نیم برہنہ جسم لوگوں کو دعوت نظارا دیتے نظر آتے ہیں۔ شرم و حیا نے منہ ڈھانپ لیا ہے خدا کا دین مظلوم دکھائی دیتا ہے — اہل حق کمیاب ہیں اور لذّات و شہوات کی فراوانی لوگوں کو جوق در جوق دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جا رہی ہے۔

ان حالات میں قرآن و حدیث سے وابستگی انتہائی ضروری ہے — اور ماحول کے بُرے اثرات کا علاج صرف اہل اللہ کی صحبت سے ہو سکتا ہے

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اگر انسان نیک صحبت اختیار کریگا۔ تو وہ دوسروں کو تہجد، چاشت، اشراق، اوّابین کے نوافل پڑھتا دیکھ کر خود بھی ان کا پابند ہو جائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی سامنے رکھ کر اپنی زندگی گذاری تو وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگئے۔ اور جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی زندگی کو اپنایا۔ وہ بھی فلاح دارین سے ہمکنار ہوئے۔

محبّت نبوی میں سرشار، نفس امارہ کو شکست دینے والے، دنیا کی لذات و شہوات کو ترک کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں ایسے لوگ کمیاب ہیں لیکن نایاب نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں نیکوں کی صحبت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ مجلس ہزاروں مجلسوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہم فقط اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مسجد میں بیٹھ کر سکون اور طمانیتِ قلب کے ساتھ ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہماری یہ تھوڑی سی محنت قبول فرما لے۔ آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے ۵

۵۔ کہ وہ لذّات و شہوات اور شیطانی کاموں سے محفوظ رکھے اور ہمیں سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے — آمین!

بقیہ صفحہ ۴ قاتلانِ حسینؓ کا عبرتناک انجام

مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔ اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور مختار نے کہا۔ کہ عمر بن سعد کا قتل تو حسینؓ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسینؓ کے بدلہ میں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں۔ تو حضرت حسینؓ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسینؓ کے تیر مارا تھا۔ اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسینؓ کے بھتیجے مسلم بن عقیلؓ کے صاحب زادے عبداللہؓ کے تیر مارا۔ اس نے ہاتھ سے پیشانی چھپائی۔ تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ گیا۔ اس کو گرفتار کرکے اوّل اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے پھر زندہ جلا دیا گیا۔

سنان بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا۔ اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

قاتلانِ حسینؓ کا یہ عبرتناک انجام معلوم کرکے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے:-

كذالك العذاب و لعذاب الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون۔

عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے۔ کاش وہ سمجھ لیتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کو شاید اس فتنہ کا علم ہو گیا تھا۔ وہ آخر عمر میں یہ دُعا کیا کرتے تھے۔ کہ یا اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نوعمروں کی امارت سے۔ ہجرت کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نتائج و عبر

واقعۂ شہادت کی تفصیل کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس میں ظلم و جور کے جو طوفان اٹھے وہ بھی سب پر عیاں ہیں۔ ظالموں اور ناخداترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار سامنے آیا۔ دیکھنے والوں نے محسوس کیا کہ ظلم و جور اور فسق و فجور ہی کامیاب ہے۔ مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب طلسم تھا جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہو گیا اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں۔ ظالم، مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے ؎

پنداشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد
برگردنِ وے بماند و بر ما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گھر گھر میں ان کا ذکرِ خیر ہے اور صدیاں گذر گئیں کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کو پیغامِ حیات سمجھتے ہیں۔ آیت اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آ گئی کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح اور کامیابی حق کی ہی ہوا کرتی ہے

اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت و اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم و عدل سے قطع نظر کر لیں بڑی نشانیاں ہیں۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

معرکۂ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے، اہلِ حق شکست کھا جائیں، تو یہ بات نہ حق کے حق ہونے کے خلاف ہے نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی، دیکھنا انجام کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، کراچی

حضرت حسین رضؓ کے فضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے اور ۱۰ر محرم ۶۱ھ میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس اُن کے منہ میں ڈالا۔ اور کان میں اذان دی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور حسین نام رکھا۔ ساتویں روز عقیقہ کیا۔ آپ بچپن ہی سے شجاع و دلیر تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں فرمایا:-

حسین منی و انا من حسین اللهم احب من احب حسيناً، اخرجه الحاكم فی المستدرك (اسعا)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے، یا اللہ جو حسین کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ۔

ابن حبان، ابن سعد، ابویعلی۔ ابن عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا

من سرّه ان ينظر الى رجل من اهل الجنه و فی لفظ شباب اهل الجنة فلينظر الى حسين بن علی

جو چاہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نوجوانان اہل جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین ابنِ علی کو دیکھ لے۔

(المعارف الراغبین فی سیرة المصطفٰے واہل بیتہ الطاہرین)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے فرمایا وہ شوخ لڑکا کہاں ہے یعنی حسینؓ ــــ حسینؓ آئے اور آپ کی گود میں گر پڑے اور آپ کی ڈاڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے۔ آپ نے حسینؓ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ یا اللہ میں حسین سے محبت کرتا ہوں آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس شخص سے بھی جو حسینؓ سے محبت کرے۔

ایک روز ابن عمرؓ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے دیکھا کہ حضرت حسینؓ سامنے سے آ رہے ہیں ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہلِ آسمان کے نزدیک سارے اہل زمین سے زیادہ محبوب ہیں۔"

حضرت حسینؓ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان و مال پیش کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا میں

خطبہ یوم الجمعہ ۴ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۸ جون ۱۹۶۲ء

جمعہ سے پہلے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی نے پڑھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

فلسفۂ شہادت

لفظ اسلام کا مادہ سِلم سے ہے۔ سِلم کے معنی صلح، سلامتی اور انکسار کے ہیں چونکہ تعلیم اسلام کا اصلی اور براہ راست تعلق صرف امن و صلح سے ہے، اس واسطے اللہ تعالےٰ نے اس دین کو اسلام کے نام سے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر اسلام کی ذاتی حیثیت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کی ابتداء اور انتہا صرف تین جملوں میں سما جاتی ہے۔

۱۔ زندگی بسر کرنے کا بہتر سے بہتر قانون ـــــ یہ اسلام کی علمی حیثیت ہے۔

۲۔ اس قانون کی تکمیل اور تبلیغ ـــــ یہ اسلام کی عملی منزل ہے۔

۳۔ بہترین دنیا اور آخرت کا حاصل ہو جانا ـــــ یہ تعمیل و تبلیغ اسلام کا نتیجہ ہے۔

چند باطل پرست لوگ کرۂ ارض کی آسائش و آرائش پر قابض تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے اسلام کو پیش فرمایا۔ نمائندگانِ باطل نے اسلام کے خط و خال پر نظر ڈالتے ہوئے ہی اس امر کا اندازہ کر لیا تھا کہ :-

۱۔ اگر تبلیغ اسلام جاری رہی تو ہمارے تمام پیرو مسلمان ہو جائیں گے۔

۲۔ اور اگر انہوں نے احکام اسلام کی پیروی کی تو پھر وہ اس دنیا کے مالک بھی ہو جائیں گے ـــ

اس خیال کے ساتھ ہی انہوں نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی ہو، ہم نہ تو مسلمانوں کو احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دیں گے اور نہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی اجازت دیں گے۔ انہوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے عذاب کئے، انہیں گھروں سے نکالا، جائدادوں سے محروم کر دیا۔ ان تمام مزاحمتوں کے باوجود، جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور تعمیلِ اطاعت کا سلسلہ نہ رُکا تو یہ باطل پرست لوگ تلواریں ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اس وقت سورۂ حج کی چند آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو بوجوہاتِ ذیل جہاد کی اجازت دی گئی :-

۱۔ مسلمان مظلوم ہیں اور حملہ آور ظالم ہیں۔ (بانّھم ظلموا)

۲۔ مسلمانوں کو صرف اختلاف عقیدہ کے باعث ناحق وطن سے نکالا گیا ہے (اخرجوا من دیارھم بغیر حقّ)

۳۔ تمام مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کی بربادی کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ اگر اختلاف عقیدہ کی بناء پر جنگ کرنا جائز ہے تو اس اصول کے ماتحت اسلام اور مسلمان ہی نہیں آتے بلکہ ہر مذہب کے خلاف جنگ ہوگا اور اسے مٹایا جائے گا۔ (لهدمت صوامع وبیع وصلوات و مساجد)

اعلانِ جہاد کب ہوا؟

ان آیات کی قوت و اہمیت کا احساس کرنے کے لئے مسلمانوں کی مکی زندگی پر ایک نظر ڈالو۔ مسلمان، حضرت رحمۃ للعالمینؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے ہیں، اپنے ہاتھوں کو قتل و غارت کی درندگی سے روکتے ہیں۔ اپنے قدموں کو شر و فساد کی پیش قدمی کرنے سے پیچھے ہٹا لیتے ہیں اُن کی آنکھوں پر بدنظری اور بدبینی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اُن کے سینے سے بغض و حسد اور انتقام و عداوت کے تاریک داغ دُھل جاتے ہیں اور اس طرح وہ نفس و شیطان کی ساری شرارتوں، زندگی کے سارے غروروں اور گنہگاری اور عیش پرستی کی تمامتر لذتوں اور مخموریوں سے کنارہ کش ہو کر اللہ تعالےٰ کی عبادت، یتیم و بیوہ کی غمخواری اور مظلوم و مفلوک کی خدمت کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ چاہئے تھا کہ قریش مکہ اُن کے راستے میں آنکھیں بچھا دیتے اور خیبر کے یہود، اُنکے استقبال کے لئے دوڑتے۔ ایران اور روم کی پیشانیاں اُن کے احترام میں جھک جاتیں اور تمام دنیا کی جانیں اور عقلیں، ان کے عمل و خیال کی بے لوثی اور پاکبازی اور ان کے درد آلود دل اور پُر نور ضمیر کی بےنفسی اور للّٰہیت پر فدا ہو جائیں لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ یہ ہوا کہ مسلمان، جس قدر بھی زیادہ نیک بنتے گئے، عرب کے مشرکین، خیبر کے یہود، ایران کے مجوسی اور روم کے عیسائی، اسی طرح زیادہ ظلم پر کمربستہ ہوئے اور اپنی تمام خونخواریوں کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے، اُن مسلمانوں کے سامنے جو اپنے دل و دماغ کا ہر گوشہ مسافر اور غریب کی خدمت اور یتیم و مظلوم کی حمایت کے دردِ بےپناہ سے زخمی کر چکے تھے آ کھڑے ہوئے اور انہیں اس جرم پر گھروں سے نکالا گیا کہ ان کا دل خوفِ خدا سے کیوں گداز ہے؟ انہیں اس گناہ پر املاک و اموال سے محروم کر دیا گیا ـ وہ انسان کی گمراہی اور بدقسمتی پر کیوں آنسو بہاتے ہیں؟ ان کے جسموں کو لوہے کی زنجیروں سے جکڑا گیا اور قید خانے کے گوشوں میں ڈال دیا گیا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ انسانیت کی آزادی اور حق و صدق کی سرفرازی کے طالب تھے لیکن ان تمام دردناک سختیوں کے باوجود بھی جب مسلمانوں نے توحید و رسالت اور اخوت و مساوات کی راہ نہ چھوڑی، ان کا شفیق اور دردمند دل اپنے ابنائے وطن کی مصیبت پر برابر لوٹتا اور زخمی ہوتا رہا اور ان کی رحمت پرور زبانیں، سختی کرنے والوں کے حق میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے باز نہ آئیں تو کفار اور بھی زیادہ برہم ہوتے۔ اور انہوں نے اسلام کے صرف ایک اصول اور قرآن کی صرف ایک آیت کو نہیں بلکہ پورے اسلام اور پورے قرآن کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے اپنی جانبازی اور شجاعت کو سچائی کے مٹانے کی خاطر ایک مرکز پر جمع کیا اور تلواریں ہاتھ میں لے کر خونخوار درندوں کی طرح اپنے اور اس دنیا کے ہمدردوں اور خدمت گزاروں کو تباہ کر دینے کے لئے مدینہ منورہ پر چل پڑے اور ایک فسادِ عظیم برپا کر دیا۔

فریضہ حفاظتِ اسلام

اس وقت سورۂ حج کی وہ آیات نازل ہوئیں جن کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے۔ ان آیات کے نزول کے ساتھ ہی مسلمانوں پر ابتلاء اور امتحان کا دروازہ کھول دیا گیا۔ مسلمانوں کو نمازیں پڑھتے، قرآن سنتے، تلاوتیں کرتے اور اللہ اور اس کے مقدس رسولؐ کی محبت و اطاعت کا دم بھرتے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ اب ان عقیدوں اور عملوں، تلاوتوں اور نمازوں، دعووں اور محبتوں کے امتحان کا وقت آ گیا۔ جن روحوں کو اللہ کی رضا کے لئے پاک کیا گیا تھا۔ اب وقت آ گیا کہ انہیں اُس کی بارگاہِ عالی میں پیش ہونے کا موقعہ دیا جائے۔ جس طرح ایک دھوبی کپڑے کو بھگوتا ہے، سجی کھار ڈالتا ہے، بھٹی پر چڑھاتا اور پتھروں پر جھٹکتا ہے تاکہ اُسے اُجلا اور صاف کر کے مالک کے حوالے کر دے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے اس پاک بندے نے جو کائنات عالم کی شخصی، قومی اور ملکی روحوں کو گناہوں کی میل اور غرض مندیوں کے کھوٹ سے پاک کر دینے کے لئے مبعوث ہوا تھا

اپنے غلاموں کو جو نمازیں پڑھائیں، قرآن کا درس دیا، روزے رکھوائے اور پس ماندہ جماعتوں کی پامالی اور حق تلفی پر قطرہ شبنم کی طرح رونا اور نور سحر کی طرح چاک گریباں ہونا سکھایا۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ان میں ماسوا سے کٹ کر، اللہ کی رضا میں مرٹنے اور فنا ہو جانے کی قوت اور قابلیت پیدا ہو جائے۔ مسلمان اس وقت تک فروعات کی مشق کرتے رہے تھے۔ اب جڑ سامنے آگئی۔ اسباب و وسائل کی زنجیریں کٹ گئیں اور وہ اصل مقصد کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اعمال و اخلاق اور عقائد و فرائض، اس کی چند ابتدائی منزلیں اور سیڑھیاں ہیں۔ نظروں کے سامنے آگیا۔ اب مسلمانوں کے سامنے اسلام کے کسی ایک رکن کی ادائیگی اور تنظیم کا سوال نہ تھا۔ بلکہ نفس اسلام کی حفاظت کا سوال تھا اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی سوال جس قدر زیادہ اہم اور پیچیدہ ہو اس کے حل کرنے کے لئے اسی قدر زیادہ محنت و جانفشانی اور صلاحیت و قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ مسئلہ نماز کا حل چند منٹوں کی فراغت ہے۔ روزہ کا حل ایک دن کا فاقہ ہے، تہجد کا حل شب بیداری کی ایک ساعت ہے اور زکوٰۃ کا حل مال کا چالیسواں حصہ ہے۔ فرائض و ارکان اسلام کے امتحان کی سختی صرف اسی قدر ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن اب حفاظت اسلام کے لئے امتحان و ابتلاء کا جو نیا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اس کے لئے فرصت کی صرف ایک ساعت اور فاقے کا ایک دن کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس ساری زندگی اور زندگی کے ہر سامان کو قربان کر دینے کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و ارکان کی تفصیل پیش کی تو آخر میں فرمایا "ذروۃ سنامہ الجہاد" یعنی اس اونٹ کے کوہان کا آخری سرا جہاد ہے۔

جب دنیا میں یہ اعلان ہو جائے کہ احکام اسلام کی پیروی اور تبلیغ کی سزا موت ہے تو ہر مسلمان مرد اور عورت، آزاد اور غلام پر فرض ہے کہ وہ تلوار کو ہاتھ میں لے کر میدان میں نکل آئے اور اسلام کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنی جان کو لڑا دے اور اس لڑائی کو اس وقت تک جاری رکھے۔ جب تک کہ مخالفین کی طرف سے اسلام اور روح اسلام کی آزادی اور سلامتی کا اعلان نہ ہو جائے۔

گروہ شہداء اور اس کا مرتبہ

قرآن نے ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں اسلام کی سلامتی اور صلح و امن کے مقصد کو قائم کرنے کے لئے قربان ہوں، "شہید" کا خطاب تجویز کیا ہے شہید کے معنی ہیں "دیکھنے والا" چونکہ بہترین گواہ کی تعریف یہ ہے کہ اس نے واقعہ کی سچائی کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو۔ اس لئے اس شخص کو بھی شاہد کہتے ہیں جو کسی واقعہ کو ثابت کرنے کے لئے اپنے علم کو گواہی کے طور پر پیش کرے۔

لیکن جب باطل پرستی کی طرف سے احکام اسلام کی تعمیل و تبلیغ کے حرام ہونے کا اعلان ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی ایسے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اسلام کی عزت اور زندگی کے حق کو ثابت کر سکیں۔ معمولی اور کمزور واقعات کے لئے سرسری اور کمزور شہادتیں قبول کی جا سکتی ہیں لیکن ابدی اور ازلی صداقتوں کو ثابت کرنے کے لئے وہی گواہ قابل قبول ہو سکتے ہیں جن کی سچائی اور راستبازی کا دامن، زوال و فنا کے ہر شائبہ سے پاک ہو موجودہ زمانے کی عدالتیں تمہارے سامنے ہیں اور تم جانتے ہو کہ واقعات کو ثابت کرنے کے لئے جس جس قسم کے گواہ، دلائل اور وثیقے پیش کئے جاتے ہیں ان کی ہستی اور قیمت کیا ہے؟ حاکم کی ایک جھڑک یا چند روپوں کی جھنکار۔ پھر اس قسم کی کرایہ دار گواہیوں اور فرضی دلیلوں سے جس دعویٰ کو ثابت کیا جائے گا اس کی زندگی اور قیمت ظاہر ہے۔

لیکن جب آسمانی اصولوں کی سچائی کے لئے قیمت اور دلیل طلب کی جائے۔ جب کتاب اللہ کی عزت اور زندگی کو جھٹلایا جائے جب نبی آخرالزماںؐ کے شرف و اعتبار کی بحث درپیش ہو اور چند مٹی کے پتلوں کی سرکشی اور نافرمانی، خالق ارض و سما کے حق معبودیت و نافرمانی سے انکار کر دے۔ تو اندازہ کرو کہ اس وقت کیسی غیر فانی دلیلوں، کیسے مضبوط اور اٹل وثیقوں اور کیسے عظیم الشان اور جلیل القدر گواہوں کی ضرورت ہوگی؟ ہاں وہ مبارک عظیم الشان جماعت جو آسمان اور زمین کی اس آخری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے گواہ کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتی ہے اور صرف الفاظ و خیال کی مضبوطی اور مال و اولاد کے ایثار سے نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی کی ساری محبتیں اور سامان قربان کر کے، اپنے صادقانہ اور فدا کارانہ اعمال کو صداقت اسلام و قرآن کی ایک غیر فانی برہان اور ایک لازوال شہادت بنا دیتی ہے، شہداء کی جماعت ہے۔

فطرت کی ابدی صداقت اور اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت کا نام اسلام ہے۔ پھر اس شخص سے زیادہ ابدی اور جاودانی زندگی کا مالک کون ہو سکتا ہے۔ جس کی زندگی اللہ تعالےٰ کی دائمی و ابدی صداقتوں کو زندہ رکھنے میں صرف ہو، یہی وجہ تھی کہ قرآن نے فتویٰ دیا۔ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تم نہیں جانتے"۔

ایک شخص وہ ہے جو نیکی اور ایمانداری کے کاموں پر عمل کرنے کی خاطر زندہ رہتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اس وقت جبکہ کفر و باطل کی جفا کاریاں، نیکی اور ایمان کے وجود ہی کو ملیا میٹ کر رہی ہوتی ہیں۔ اپنے خون کی قوت سے کفر و باطل کو مٹانا اور نیکی اور ایمان کو زندہ رکھتا ہے "تاکہ موجودہ اور آئندہ زمانہ کی راست کیش روحیں کفر و باطل کی رخنہ اندازی کے بغیر شاہراہ صدق و ایمان پر قدم بڑھاتی رہیں۔ بتاؤ، دونوں میں کس کا عمل زیادہ مقبول اور پائدار ہے؟ اس کا عمل جس نے صرف اپنے ہی کام و دہان کی تواضع کے لئے عمل صالح کا دسترخوان بچھایا، یا اس کا جس نے اپنی ذات پر نوع انسان کے مفاد کو ترجیح دی اور نیکی کو زندہ رکھنے کے لئے خود قربان ہو گیا؟ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فیصلہ ہے:۔

ما من میت یموت الا ختم عملہ الا من مات مرابطاً فی سبیل اللہ فانہ ینمولہ عملہ الی یوم القیامۃ

ترجمہ:۔ کوئی مرنے والا ایسا نہیں جس کا عمل موت کے ساتھ ختم نہ ہو جاتا ہو البتہ وہ غازی جو حملہ دشمن کے انتظار میں جان دے۔ اس کا عمل قیامت تک جاری رہیگا۔

خدا تعالےٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اسلام سے محبت کریں۔ لیکن بہترین خوشنودی اور قبولیت کے مستحق وہ جوانمرد لوگ ہیں جن کے عشق و ایثار کی جانبازی اور سرفروشی نے چند افراد ہی کو نہیں بلکہ بڑی بڑی قوموں، ملتوں اور ملکوں کو، اس کی طلب "و رضا کا راستہ دکھایا ہو۔ سورۃ صف میں ارشاد ہوتا ہے:۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستے میں ایک آہنی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر جہاد کریں۔

شہادت کا اصول اور اسوہ

اس کلیہ کے مطابق ضروری تھا کہ مسلمانوں کے سامنے شہادت کا اسوہ حسنہ بھی پیش کیا جاتا۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کے ساتھ ایک اسوۂ عمل موجود نہ ہو۔ حضرت حسینؓ اور آپ کے رفقاء کی زندگی، اسوہ جہاد و شہادت ہے۔ آپ نے "اسوۂ ابراہیم" میں پڑھا تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں کیا فرق ہے؟ حضرت ابراہیم اجمال ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اس اجمال کی تفصیل ہیں۔ یہی فرق ان دونوں بزرگوں کے جگر گوشوں میں ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، شہادت کی ایک آرزو اور ایک عزم ہیں مگر حضرت حسینؑ اس عزم و آرزو کی عملی تعبیر ہیں۔ حضرت اسماعیل نے شہید ہونا چاہا، لیکن اس امت ہی کے لئے جو ان کی نسل سے پیدا ہونے والی تھی، انہیں بچا لیا گیا مگر جب اس امت کی بقا کو پھر خطرہ لاحق ہوا۔ تو حضرت حسین نے قربانی دی۔ یعنی جس امت کے لئے جگر گوشۂ ابراہیم کو بچا لیا گیا تھا، اب اسی امت کی بقا کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے خون کا آخری قطرہ قربان ہو گیا۔ حضرت اسماعیل عزم جہاد کا غنچۂ ناشگفتہ تھے، اس لئے محفوظ رہے۔ حضرت حسینؓ ایک شاداب پھول بن کر میدان میں آئے۔ اور توڑ لئے گئے۔ امت مسلمہ ایک دائرہ ہے۔ حضرت اسمٰعیل کا ولولۂ قربانی اس دائرے کا اولین نقطہ ہے اور حضرت حسین کی شہادت اس دائرے کا انتہائی نقطہ ہے اور آرزوئے اسماعیل کا آخری مظہر ہے۔ پس دائرہ ملت کی بقا کا راز یہ ہوا کہ مسلمان خواہ اسماعیلی شہادت کی آرزو بن کر زندہ رہے۔ اور خواہ حسین کی طرح عملی طور پر شہید ہو کر دکھائے۔ اس کی زندگی اور موت دونوں ملت کے لئے ہو جائیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت

بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کے نفاق کے الم انگیز نتائج

اسلامی تاریخ میں نفاق کی ایک لکیر ہے اس لکیر کا اسلامی حکومت کے زوال سے گہرا تعلق ہے۔ یہ لکیر بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کی خاندانی رقابت سے ایک اہم بنیادی مسئلہ کے طور پر ہم اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت اسماعیل کی اولاد میں عبد مناف ایک اہم شخصیت ہے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کے پردادا تھے۔ چار بیٹے تھے۔ نوفل، مطلب، ہاشم، عبد شمس۔ یہ عبد شمس کے بیٹے امیہ کی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہاشم اور عبد شمس کی اولاد میں نااتفاقی کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ ہاشم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا) اور ہاشم کے بڑے بھائی عبد شمس میں نااتفاقی کیوں ہوئی؟ اس کے اسباب درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہاشم، عبد شمس سے چھوٹا تھا، لیکن وہ اپنی لیاقت اور فیاضی سے قوم کا پیشوا بن گیا تھا، عبد شمس کے بیٹے امیہ کو یہ بڑا ناگوار تھا۔

۲۔ ہاشم نے قیصر روم اور نجاشی سے تجارتی مراعات حاصل کیں، خانہ کعبہ کے انتظامات بھی اس سے متعلق ہو گئے، امیہ کو یہ بھی ناگوار گزرا۔

دس برس ہاشم کے بھتیجے یعنی عبد شمس کے بیٹے امیہ نے اپنے چچا ہاشم کو برملائی کا چیلنج دیا، شرط یہ طے پائی کہ ہارنے والا پچاس سیاہ چشم اونٹ دے اور دس سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن جج مقرر ہوا۔ چچا ہاشم، اور بھتیجے (امیہ) میں مناظرہ ہوا۔ امیہ کو شکست ہوئی اس نے پچاس اونٹ دیئے اور شام کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

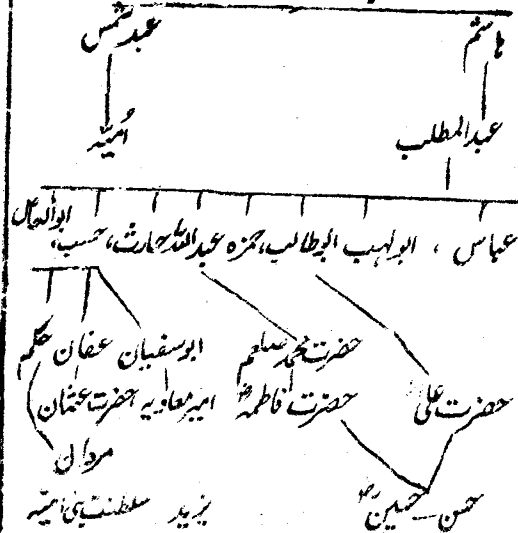
پس انہی اسباب سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں نفاق کی آگ بھڑک اٹھی۔

دعوئے نبوت اور بنی ہاشم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ میلادی میں دنیا کے سامنے نبوت پیش کی آپ چونکہ بنی ہاشم میں سے تھے، اس واسطے بنی امیہ کے افراد نے خاندانی رقابت کے باعث بھی آپ کی مخالفت کی اور ان کے مقابل، بنی ہاشم نے یقیناً آپ کا ساتھ دیا۔ ہاشم کے فرزند عبدالمطلب (حضور کے دادا) نے آپ کو پالا تھا آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی بڑی حمایت کی۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ بھی آپ پر بہت جلد ایمان لائے اور آپ کے قوت بازو ثابت ہوئے آپ کے دوسرے چچا حضرت عباس دیر میں ایمان لائے بنی ہاشم میں صرف ابو لہب دشمن رہا۔ حضرت عباس، حضرت حمزہ، جناب ابو طالب، حضرت علی، حضرت عقیل وغیرہ سب بنی ہاشم تھے۔ آپ کے چچا تھے یا آپ کے چچاؤں کے اولاد تھے۔

دعوئے نبوت اور بنی اُمیہ

بعثت نبوی کے وقت تین آدمی بنی اُمیہ کے ستون تھے۔ ابو سفیان، عفان، حکم۔ امیر معاویہ ابو سفیان کے بیٹے تھے حضرت عثمان، عفان کے فرزند تھے مروان حکم کے بیٹے تھے۔ ان سب میں حضرت عثمانؓ نے پیش قدمی کی۔ اور مسلمان ہو گئے۔ باقی سب کے سب عام طور پر حضور کی مخالفت کرتے رہے۔ یاد رکھئے کہ امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ اور مروان تینوں امیہ کے پرپوتے تھے۔ شجرۂ نسب میں ان کے عارضی تعلقات ملاحظہ ہوں۔



رسول اللہ کا اعجاز

ہم بیان کر چکے ہیں کہ بعثت نبوی کے وقت تین بڑے آدمی ابو سفیان، عفان اور حکم موجود تھے اور پیغمبر اسلام کی مکی زندگی میں بنی ہاشم کا طرز عمل حضور کے موافق اور بنی امیہ کا مخالف۔ انہی میں عفان کے بیٹے حضرت عثمانؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور مخالف کیمپ سے ان کا نکل آنا بہت بڑی بات تھا۔ یہ حضرت عثمان کی نورانیت و عظمت کی دلیل ہے کچھ عرصہ بعد بنی اُمیہ کے دوسرے افراد بھی مسلمان ہو گئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نفسوں کا اس طرح تزکیہ فرمایا کہ حضور کی زندگی ہی میں بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم عداوتیں محو ہو کر رہ گئیں۔ تمام مسلمان بھائی بھائی بن گئے اور دونوں خاندانوں نے بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔

حضرت عثمان کا انتخاب خلافت

حضور کے انتقال کے بعد حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے اور یہ وقت بڑے امن سے گزرا پھر حضرت عمر خلیفہ مقرر ہوئے اور آپ کا زمانہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا ۲۳ ہجری میں حضرت عمر نے انتقال فرمایا اور وصیت کی، علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، چھ آدمیوں سے کسی ایک کو تین دن کے اندر اندر خلیفہ منتخب کیا جائے۔ پورے دو دن بحث میں گزر گئے کہ کوئی رائے طے نہ پائی۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ تین آدمی دست بردار ہو جائیں اور وہ اپنی طرف سے ایک ایک شخص کو منتخب کر دیں تاکہ یہ بحث چھ کی بجائے صرف تین آدمیوں پر منحصر ہو جائے۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا۔ مگر حضرت سعد بن عوفؓ نے کہا کہ میں دست بردار ہوتا ہوں۔ اب بحث صرف علیؓ اور عثمانؓ میں رہ گئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دونوں اصحاب سے کہا کہ آپ دونوں اصحاب اپنا اپنا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں اور جب دونوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو آپ نے تمام صحابہ کو مسجد میں جمع کیا اور مختصر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ کر دیا اور سب سے پہلے اسی مسجد میں خود بھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کی اور پھر تمام مخلوق بیعت کے لئے ٹوٹ پڑی۔

یہاں یہ واضح رہے کہ حضرت عثمانؓ بنی امیہ کے فرد تھے، گو یہ بات زبانوں پر

نہ آئی ہو، تاہم حضرت عثمانؓ کے فیصلہ خلافت پر دلوں نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ رسول ہاشمی کی مسند خلافت پر بنی امیہ کا ایک فرزند متمکن ہوا ہے۔ یہ ۴ محرم ۲۴ھ کا واقعہ ہے۔

اسلامی خلافت میں نفاق کا آغاز

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بہت امن سے گزرے لیکن آخری چھ سالوں میں دنیا کا رنگ بالکل پلٹ گیا۔ انقلاب حکومت کی اصل وجہ صرف ایک تھی اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی وہ مبارک جماعت جس نے رسول اللہ کے چہرہ مبارک کی روشنی میں زندگی اور اتحاد کے سبق سیکھے تھے، اس دنیا سے رخصت ہو رہی تھی اور وہ نئی نسلیں جو باخدا جماعت کی وارث ہوئیں، تقوٰی اور اتحاد میں ان کی وارث نہ تھیں۔ صحابہ کرامؓ کی بڑی فضیلت یہ تھی کہ ان کا جینا اور مرنا محض اللہ تعالٰی کے لئے تھا، لہذا وہ غرض سے خالی تھے اور اس لئے نفاق و اختلاف سے بھی خالی تھے۔ لیکن اب جو نئی نسلیں میدان میں آئیں، وہ ایسی بے غرض نہ تھیں اور اس واسطے ان میں نفاق و انتشار کا رنگ بھی نمایاں تھا اور وہ اقتدار کے طالب بھی تھے۔

دلوں پہ توحید کا رنگ جس قدر زیادہ ہو، وہ اسی قدر کھوٹ اور خیانت، غرض اور نفاق سے پاک ہوتے ہیں اور غرض اور نفاق سے پاک دل، اسی قدر جلد متحد بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں میں توحید کا جذبہ گھٹا تو غرضیں بڑھ گئیں اور جس قدر غرضیں بڑھیں اسی قدر دلوں میں تفاوت پیدا ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ ہی امارت اور خلافت کے قلعے پارہ پارہ ہو کر رہ گئے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں نفاق کی تین تحریکیں پیدا ہوئیں۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں نفاق۔ قریش اور غیر قریش میں نفاق۔ عرب اور غیر عرب میں نفاق بنی ہاشم کا دل، بنی امیہ سے متحد نہ تھا عام عرب، قریش کے اقتدار سے جلتے تھے غیر عربی اور عجمی مسلمان، عربوں کے اقتدار پر حسد کرتے تھے۔ یعنی حکومت کے اعلیٰ درمیانی اور ادنیٰ تینوں طبقوں میں حسب مدارج نا اتفاقی کا اثر موجود تھا۔

شورش کی تنظیم

سب سے پہلے کوفہ میں اشتر نخعی وغیرہ نے ایک سازشی پارٹی قائم کی۔ ایسی ہی ایک جماعت بصرہ میں پیدا ہوئی، مگر مصر کا حال سب سے بد تر تھا۔ عبداللہ بن سبا نے جو ایک یہودی النسل نو مسلم تھا، ان تمام پارٹیوں کو منظم کر کے اس امر پر آمادہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کو تخت خلافت سے معزول کیا جائے اور بنی امیہ کی قوت توڑ دی جائے۔ اس نے اپنے مبلغ ہر طرف پھیلا دیئے۔ یہ لوگ دینداری اور مولویت کا لباس پہن کر، پہلے عام مسلمانوں کا اعتقاد حاصل کرتے تھے۔ اور پھر انہیں حضرت عثمان اور ان کے گورنروں کی شکائتیں سناتے تھے اور خیر خواہی اسلام کے پردے میں خلیفۃ المسلمینؓ سے بدگمان کر دیتے تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابوبکر صدیقؓ جیسے آدمی بھی اس فریب کا شکار ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود مدینہ منورہ کا حال بھی بگڑ گیا۔

ایک دن حضرت عثمانؓ خطبہ جمعہ پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کر رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ "عثمان کتاب اللہ کی پیروی کر۔"

حضرت عثمانؓ نے نرمی سے فرمایا بیٹھ جایئے۔ دوسری دفعہ پھر اس نے آپ کو ٹوکا مگر آپ نے پھر اسے بیٹھ جانے کی ہدایت فرمائی۔ تیسری مرتبہ وہ پھر کھڑا ہو گیا، مگر آپ نے اس مرتبہ بھی حلم اور محبت سے اسے خطبہ سننے کی ہدایت فرمائی۔ چونکہ یہ سب کچھ سازش کے ماتحت تھا، اس واسطے دفعتہً اس کے بہت سے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عین خطبہ ہی میں خلیفہ رسول کو گھیر لیا اور اس قدر پتھروں کی برسات کی کہ نائب رسول زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑے، اس کے باوجود بھی آپ نے مفسدین سے باز پرس نہیں کی، درگذر فرمایا اور معاف کر دیا۔

شورش پسندوں کے الزامات

مفسدین کی طرف سے حضرت عثمانؓ پر جو الزامات لگائے گئے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ آپ نے بڑے بڑے صحابہ کی بجائے اپنے ناتجربہ کار رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔

۲۔ آپ اپنے عزیزوں پر بیت المال کا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔

۳۔ آپ نے زید بن ثابت کے لکھے ہوئے قرآن کے سوا باقی سب صحیفوں کو جلا دیا ہے۔

۴۔ آپ نے بعض صحابہ کی تذلیل کی ہے اور کئی نئی نئی بدعات اختیار کر لی ہیں۔

یہ الزامات قطعی طور پر سازشیوں کی شرارت کا نتیجہ تھے۔ جن صحابہ کو آپ نے معزول کیا، وہ محض انتظامی معاملات تھے۔ بیت المال والے الزام کا حضرت عثمانؓ نے خود کافی جواب دے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیزوں کو جو کچھ دیا تھا۔ وہ ذاتی مال سے دیا ہے۔ بیت المال کے روپے کو نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ اپنے عزیزوں کے لئے میں رسولؐ اللہ کی زندگی میں بھی ان کو بڑے بڑے عطیئے دیا کرتا تھا اور جب کہ میری زندگی ختم ہو رہی ہے، میں نے اپنی رضامندی سے اپنا تمام زر و مال ان کے حوالے کر دیا ہے۔ تیسرا الزام بھی بالکل بے جا تھا حضرت عثمانؓ نے جس صحیفہ کو باقی رکھا اسے وفات نبویؐ کے بعد خود حضرت صدیق اکبرؓ نے تیار کرایا تھا اور اس سے زیادہ مستند اور مکمل صحیفہ اور کون ہو سکتا ہے۔ چوتھا الزام بھی ایسا ہی بے بنیاد تھا۔

گورنروں کی کانفرنس

جب حضرت عثمانؓ کو ان شورشوں کا علم ہوا تو آپ نے تمام صوبوں کے گورنروں کو جمع کر کے ان سے رائے طلب کی۔

عبداللہ بن عامر نے کہا، کسی ملک پر فوج کشی کر کے لوگوں کو جہاد میں مشغول کرنا چاہیئے۔ سعد بن العاص نے رائے دی کہ سازش کے سرغنے قتل کر دیئے جائیں۔ امیر معاویہؓ نے کہا، ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کا گورنر اپنے صوبے کو خود سنبھالے۔ عبداللہ بن سعد نے کہا، روپیہ دے کر شورش پسندوں کی حرص پوری کر دی جائے۔ عمرو بن العاص نے رائے دی کہ آپ عدل کریں ورنہ تخت خالی کر دیں مگر کانفرنس منتشر ہو گئی تو عمرو بن العاص نے معذرت کی کہ میں نے مفسدین پر اپنا اعتماد جمانے کے لئے یہ رائے دی تھی۔ اب میں ان کی خفیہ کاروائیوں سے آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد تمام گورنر اپنے اپنے صوبوں میں چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ نے رفع شورش کے لئے تین اقدام کئے۔ گورنر کوفہ سعد بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسٰی اشعری کو مقرر کر دیا۔ تمام صوبوں میں اصلاح حال کے لئے تحقیقاتی کمیٹیاں روانہ کیں۔ حج کے موقع پر اعلان کیا کہ اہل شکایت اپنی

شکایتیں لائیں تاکہ تدارک کیا جائے۔

مفسدین کی مدینہ پر یورش

مگر مفسدین کو اصلاح منظور نہ تھی۔ حضرت عثمانؓ اصلاح کی کوشش فرما رہے تھے۔ مگر ٹھیک اسی وقت مفسدین نے حاجیوں کے لباس میں مدینہ کا رخ کیا اور شہر سے دو تین میل دور اپنی جمعیت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے ذریعہ مفسدین کو کہلا بھیجا کہ تم واپس چلے آؤ، تمہارے تمام جائز مطالبات پورے کئے جائیں گے۔ چنانچہ اسی وقت واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ میں ایک مفصل وعظ فرمایا اور اس میں ہر چیز کو پوری طرح واضح کر دیا اور سب لوگ خوش خوش اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسی اثناء میں مفسدین کی جماعتیں پھر مدینہ پر ٹوٹ پڑیں۔ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے تو دیکھا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں انتقام انتقام کا شور برپا ہے۔ جب مفسدین سے اس حیرت انگیز واپسی کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ پر ایک عجیب الزام لگایا۔ انہوں نے خلافت کا ایک حکمنامہ پیش کیا اور کہا کہ ہم حسب وعدہ مصر واپس جا رہے تھے۔ کہ راستے میں ہمیں ایک تیز رفتار قاصد ملا جو مصر کی طرف جا رہا تھا۔ یہ حکمنامہ اسی قاصد کی تلاشی سے برآمد ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ہم لوگوں کی گردن مار دی جائے یہ صریح وعدہ خلافی ہے اور اب ہم اس کا انتقام لینے آئے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے قسم کھا کر بیان کیا "مجھے اس قسم کے خط کا علم نہیں ہے" لوگ تاڑ گئے کہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار میر منشی مروان کی یہ کارروائی ہے۔

اب معاملات بے حد نازک ہو چکے تھے مصریوں نے مطالبہ کیا حضرت عثمانؓ تخت خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر آپ کو رسولؐ اللہ کی پیش گوئی یاد تھی، آپ نے فرمایا کہ میں جان کے خوف سے خلافت الٰہی کا تاج نہیں اتار سکتا۔ اس پر مفسدین نے آپ کے محل سرائے کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ کوئی شخص کھانا اور پانی اندر نہیں لے جا سکتا تھا۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ خود کھانا اٹھا کر لے گئیں، تو مفسدین نے حرم رسول اللہ کو بھی بے ادبی سے واپس کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا مگر باغیوں نے اجازت نہ دی۔ حضرت علیؓ نے اپنا عمامہ اتار کر آپ کے پاس بھیج دیا تاکہ آپ کو نزاکت حال کا علم ہو جائے اس وقت بہت سے صحابہ مدینہ تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ حج پر تشریف لے گئیں مدینہ کے تمام معاملات کی باگ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر کے ہاتھ میں تھی مگر اس ہنگامے میں ان کی آواز بھی بے اثر تھی۔ ان اصحاب کی طرف سے حضرت حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ باب خلافت پر متعین کئے گئے کہ وہ حضرت عثمان کی حفاظت کریں۔

حضرت عثمانؓ کا خطاب باغیوں سے

حضرت عثمانؓ نے متعدد مرتبہ باغیوں کو سمجھانے کی کوشش فرمائی۔ ایک دفعہ آپ نے انہیں چھت پر سے مخاطب کیا اور فرمایا، لوگو! کیا تم بھول گئے، جب مسجد نبویؐ کی زمین تنگ تھی اور رسول اللہ نے فرمایا، کون ہے جو زمین خرید کر مسجد کیلئے وقف کرے اور جنت میں اس سے بہتر جگہ کا وارث بنے؟ وہ کون تھا جس نے رسول اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی تھی؟

آوازیں آئیں "آپ نے تعمیل کی تھی"

فرمایا کہ آج اسی مسجد سے تم میری نمازوں کو روکتے ہو؟

پھر فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، جب مدینہ میں ارومہ کے سوا کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا اور تمام مسلمانوں کو پانی کی تکلیف تھی، وہ کون تھا جس نے رسول اللہ کے حکم سے اس کنوئیں کو خریدا اور مسلمانوں پر وقف کیا؟

آوازیں آئیں "آپ نے وقف کیا تھا"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا، کہ آج اسی کنوئیں کے پانی سے تم مجھے روک رہے ہو؟

پھر فرمایا" لشکر عسرت کا ساز و سامان کس نے آراستہ کیا تھا؟

لوگوں نے کہا، آپ سچ فرماتے ہیں۔

پھر فرمایا، میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ہے جو اللہ کے لئے حق کی تصدیق کرے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر چڑھے اور وہ ہلنے لگا تو آپ نے اس پہاڑ کو پاؤں سے ٹھکرایا اور فرمایا، اے حرا! ٹھہر جا کہ اس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید کھڑے ہیں اور میں اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے جواب دیا آپ سچ کہتے ہیں۔

پھر فرمایا، لوگو! خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ جب رسولؐ اللہ نے مجھے حدیبیہ کے مقام پر اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا تو اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری طرف سے خود ہی اپنی بیعت نہیں کی تھی؟

مجمع سے آوازیں آئیں، آپ سچ کہتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ فضل و شرف کے اس اعتراف کے باوجود، باغیوں کے دماغ سے ضد اور بد نیتی کا خمار دور نہ ہوا۔ حج کی تقریب چند ہی روز میں ختم ہوا چاہتی تھی باغیوں کو خطرہ تھا، اس کے بعد مسلمان یقیناً مدینہ کی طرف پلٹیں گے اور وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس واسطے انہوں نے آخری طور پر اعلان کیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت امیرالمومنینؓ نے یہ ندا اپنے کانوں سے سنی اور فرمایا کہ آخر کس جرم میں تم میرے خون کے پیاسے ہو؟ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ میں رسولؐ اللہ کے دین سے مرتد نہیں ہوں اور تم مجھ پر بدکاری کا الزام لگا سکتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اب اس کے بعد بھی تمہارے لئے میرے قتل کی وجہ جواز کیا ہے؟

ان دردناک الفاظ کا کسی کے پاس بھی جواب موجود نہ تھا، تاہم مفسدین کی جماعت اپنے ناپاک ارادوں پر قائم رہی۔

نائب رسول کی بربادیاں

جب حالات بہت نازک ہو گئے۔ تو مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا، اے امیرالمومنین آپ جہاد کے لئے اجازت دیجئے۔ بے شمار مسلمان، حق کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو صدر دروازہ کے سامنے کی دیوار توڑ کر مکہ معظمہ یا شام تشریف لے جائیں۔ وہاں کے لوگ وفادار ہیں، وہ آپ کا ساتھ دیں گے۔

پیکر استقلال حضرت عثمانؓ نے فرمایا، لیکن میں وہ خلیفہ نہ بنوں گا جو امت محمدیہ میں خون کی ابتدا کرے۔ میں مکہ معظمہ نہیں جا سکتا، میں حرم کا وہ مینڈھا نہیں بن سکتا جو رسولؐ کی پیش گوئی کے مطابق حرم کعبہ کی بے حرمتی کا باعث ہو گا۔ میں شام کا ارادہ نہیں کر سکتا۔ میرے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ میں دار ہجرت سے نکلوں اور رسولؐ اللہ کے پڑوس کی نعمت کو پس پشت ڈال دوں؟

حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تشریف لائے اور فرمایا "اے امیر المؤمنینؓ! اس وقت سات سو کی جمعیت گھر کے اندر موجود ہے۔ آپ جنگ کی اجازت عطا فرمائیں کہ ہم باغیوں کی طاقت آزمائیں" ارشاد فرمایا، "میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایک بھی مسلمان میرے لئے خون نہ بہائے" پھر بیس غلاموں کو جو گھر میں موجود تھے، طلب فرمایا اور آزاد کر دیا۔ حضرت زید بن ثابت نے عرض کیا، "اے امیر المؤمنینؓ! رسولؐ اللہ کے انصار دروازے پر کھڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنا عہد پورا کریں۔" ارشاد فرمایا کہ لڑائی کی اجازت نہیں ہے۔ آج میری سب سے بڑی حمایت یہ ہے کہ کوئی مسلمان میرے لئے تلوار نہ اٹھائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ تشریف لائے اور جہاد کی اجازت طلب کی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ نائب رسولؐ اللہ کی زبان سے جہاد کا ایک لفظ لاکھوں مسلمانوں کو ان کے جھنڈے تلے جمع کر دے گا۔ ارشاد فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ مجھے اور تمام کو قتل کر ڈالو؟ عرض کیا، اے امیر المومنینؓ! یہ کون پسند کرتا ہے؟ فرمایا، اگر تم نے کسی ایک شخص کو بھی قتل کیا تو سمجھو کہ گویا سب کے سب قتل ہو گئے۔

شہادت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمانؓ کی شہادت کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔ عام مسلمان باغیوں کی تباہ کاریوں پر خون کے آنسو روتے تھے مگر آپ مطمئن تھے اور رسولؐ اللہ کی وصیت کا انتظار کر رہے تھے۔ جمعہ کے دن آپ روزہ سے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد صلعم تشریف لائے اور صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آپ کے ساتھ ہیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا، عثمانؓ جلدی کرو، ہم افطاری کے لئے تمہارے منتظر ہیں۔ آنکھ کھلی تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا، میری شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے پھر آپ نے وہ پاجامہ منگوایا جسے آپ نے کبھی نہیں پہنا تھا اور زیب تن کیا، پھر بیس غلاموں کی آزادی کا فرمان سنایا اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ ٹھیک اسی وقت باغیوں نے ہجوم کیا، حضرت حسنؓ جو دروازے پر پہرہ دے رہے تھے مضروب ہوئے۔ چند باغی دیوار پھاند کر محل سرائے میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیقؓ کے چھوٹے بیٹے، ان کے ساتھی تھے انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور زور سے کھینچا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، بھتیجے! اگر صدیق اکبرؓ آج زندہ ہوتے تو وہ اس حال کو کبھی پسند نہ فرماتے اس کے بعد محمد بن ابو بکرؓ شرم کھا کر پیچھے ہٹ گئے مگر کنانہ بن بشر نے پیشانی مبارک پر لوہے کی سلاخ سے ایک دردناک ضرب لگائی۔ نائب رسولؐ اس ضرب سے بے اختیار گر پڑے اور فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ توکلت علی اللہ۔ دوسری ضرب سودان بن حمران نے ماری جس سے خون کا فوارہ چل نکلا۔ عمرو بن حمق سینے پر چڑھ گیا اور یکے بعد دیگرے نیزے سے سو کچوکے لگائے۔ اسی وقت ایک بے رحم نے تلوار چلا دی۔ حضرت نائلہؓ نے ہاتھ سے روکا تو تین انگلیاں کٹ کر گر گئیں۔ حضرت امیر المومنینؓ بے دم ہو کر گر پڑے اور مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

باغیوں کے خوف سے نعش مبارک دو دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ تیسرے دن چند مسلمانوں نے اس خونی لباس میں آپ کی میت کو کندھا دیا۔ صرف سترہ مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اللہ کی کتاب کے اس سب سے بڑے خادم کو جنت البقیع کے گوشۂ رحمت میں سلا دیا گیا۔

اسلام کی تقدیر پلٹ گئی

شہادتِ عثمانؓ کی خبر آناً فاناً تمام ملک میں پھیل گئی۔ اس وقت حضرت حذیفہ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ بعد کے تمام واقعات صرف اسی ایک جملے کی تفصیل ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ گیا ہے کہ اب وہ قیامت تک بند نہیں ہو گا۔" حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں امیر معاویہؓ گورنر شام کو جو بنی امیہ کے ممتاز ترین فرد تھے، بھیجی گئیں۔ جب یہ کرتہ مجمع میں کھولا گیا تو حشر برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی صداؤں سے آواز گونج اٹھی۔ بنی امیہ کے تمام اراکین امیر معاویہؓ کے گرد جمع ہو گئے یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حضرت علیؓ کی خلافت سے لے کر امام حسینؓ کی شہادت بلکہ امیر معاویہؓ کے بعد امویوں اور عباسیوں کی خلافت کے آخر تک، جس قدر بھی واقعات پیش آئے۔ اُن میں ہر جگہ حضرت عثمانؓ کے خون کا اثر موجود ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے اسلام کی تاریخ کا رُخ پلٹ گیا۔ جو کچھ جنگ جمل میں ہوا، وہ بھی یہی تھا اور جو کچھ کربلا میں پیش آیا وہ بھی یہی تھا۔ اور جو کچھ اس کے بعد امویوں اور عباسیوں نے کیا وہ اسی ایک ظلم یا گمراہی کے لازمی اور منطقی نتائج تھے — اور اسلام کے قدموں نے جو بجلی کی رفتار سے کائناتِ عالم کی اصلاح کے لئے اُٹھ رہے تھے، ایک ایسی ٹھوکر کھائی کہ وہ بگڑے ہوئے حالات پھر آج تک درست ہو سکے۔

جلسۂ تقسیمِ اسناد

کے موقعہ پر

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی تقریر

(گذشتہ سے پیوستہ)

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا مومن کی شان یہ ہے کہ اُس کے اوپر آفات بھی آتی ہیں — مصائب بھی آتے ہیں — تو یہ مطلب نہیں تھا موسیٰ علیہ السلام کا کہ کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ جب تم اللہ کی پناہ میں آؤ گے — مطلب یہ تھا مصیبتوں کا ہجوم ہوگا — اللہ کے پہلو میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا قلب اس درجہ ذکر اللہ میں مگن اور مطمئن ہوگا کہ لاکھوں مصیبتیں آجائیں کوئی اثر نہیں پڑے گا قلب کے اوپر — قلب ہشاش اور بشاش رہے گا — یہ سمجھوگے کہ منجانب اللہ مجھے یاد کیا جا رہا ہے — محب اور عاشق اس میں بھی لذت لیتا ہے — جو محبوب کی طرف سے مصیبت ڈالی جاتی ہے اُس میں بھی اُسے لذت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عمران ابن حصین ایک صحابی ہیں جلیل القدر — ۳۲ برس تک ناسور رہا ہے ان کے پہلو میں — ایک پہلو لیٹے رہتے تھے چت — چت ہی لیٹے ہوئے کھانا پینا — چت ہی لیٹے لیٹے نماز پڑھنی — چت ہی لیٹ کر قضائے حاجت کرنی اور ۳۲ برس تک —

اندازہ کیجئے کتنی شدید تکلیف ہوگی — ۳۲ برس ایک پہلو پہ لیٹا رہے آدمی — کتنی اذیت ہوگی؟

اب اذیت کا تو یہ حال ہے — مگر چہرہ اتنا ہشاش بشاش کہ کسی تندرست کا بھی اتنا نہ ہوگا —

لوگوں نے عرض کیا "حضرت! مصیبت اور اذیت تو اتنی کہ کوئی منٹ خالی نہیں کہ آپ کو اذیت نہ ہو — اور چہرہ پہ اتنی بشاشت ہے کہ کسی تندرست کے چہرہ پر دیکھنے میں بھی نہیں آئی — یہ کیا بات ہے؟ فرمایا مصیبت حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے — میں نے اللہ کا عطیہ سمجھ کر اس پر صبر کیا ہے — اُس صبر کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اپنے اس بستر پر ۲۴ گھنٹے مصافحہ کرتا ہوں ملائکہ علیہم السّلام سے — ۲۴ گھنٹے عالم غیب منکشف ہے میرے اوپر — تو میں نہیں چاہتا کہ میری مصیبت ایک لمحہ کے لئے بھی، مجھ سے ٹلے — اس مصیبت ہی کا طفیل ہے کہ عالم غیب کے علوم میرے اوپر کھلتے ہیں — اور عالم غیب کے رجال میرے سامنے آتے ہیں — تو میں کہتا ہوں کہ اُس مصیبت سے ان کے قلب کو کیا اذیت پہنچے —

قلب اتنا مطمئن ہے کہ نعمت والوں کا قلب بھی اتنا مطمئن نہ ہو — تو اللہ والوں کا قلب مطمئن ہوتا ہے ذکر اللہ کے سبب سے — یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی مصیبت ان پر نہیں آتی — بلکہ سب سے زیادہ مصیبت آتی ہے — مگر ذرا تنگ نہیں ہوتے — قلب ان کا مگن ہے، مطمئن ہے، ہشاش ہے، بشاش ہے۔ اس واسطے کہ ان کی نظر مصیبت پر نہیں ہوتی مصیبت بھیجنے والے پہ ہوتی ہے — کہ وہ — وہ ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے — یقیناً بندے کی مصلحت ہے اس میں — اسی لئے اُس نے مصیبت بھیجی —

جس کی نظر حق تعالیٰ پہ ہوگی، پھر وہ نہ نعمت کو دیکھے گا نہ مصیبت کو — وہ نعمت بھیجنے والے کو دیکھے گا، مصیبت ڈالنے والے کو دیکھے گا۔ کہ وہ یقیناً ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے — جب اُس نے یہ مصیبت ڈالی ہے یقیناً یہ مصیبت ہی میرے حق میں بہتر ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی چیز مصیبت بن کر نہیں آتی بندے کے اوپر — نعمت ہی بن کر آتی ہے — مگر بندہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اُسے مصیبت بنا لیتا ہے — نہ ناداری مصیبت ہے، نہ مفلسی مصیبت ہے، نہ بیماری مصیبت ہے — ہم اپنی تنگ ظرفی سے مصیبت بناتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے نعمت ہی بن کر آتی ہے — اس لئے کہ کوئی مصیبت نہیں جس میں کفارہ نہ ہو معاصی کا — اور جو گناہوں کا کفارہ کرے وہ مصیبت کب ہوئی؟ وہ تو نعمت ہوئی — کوئی مصیبت ایسی نہیں جس میں ترقیٔ درجات نہ ہو — تو جو چیز ترقیٔ درجات کا سبب بنے وہ تو نعمت ہوئی — مصیبت کیسے ہوئی؟ — تو حقیقت میں جن کو ہم مصیبتیں کہتے ہیں وہ بھی نعمتیں ہیں اور نعمتیں تو ہیں ہی نعمتیں —

اللہ کی طرف سے سب چیزیں نعمتیں بن کر آتی تھیں — کسی نعمت کی صورت بھی نعمت کی ہے کسی نعمت کی صورت مصیبت کی ہے — ہیں دونوں نعمتیں — اس لئے کہ بندہ کے حق میں مفید ہیں — اگر سمجھے بندہ — اگر تنگ ظرفی برتے نعمت بھیجنے والے کو نہ دیکھے تو پھر بیشک وہ تنگی میں مبتلا ہو —

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک واقعہ سنایا — فرمایا کہ میں بیٹھا ہوا تھا مکہ معظمہ میں — حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کی مجلس میں — اپنے شیخ کی مجلس میں — حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ وعظ فرما رہے تھے۔ کہ اللہ کی طرف سے جو چیز آتی ہے نعمت ہو کر آتی ہے — بندے اُسے مصیبت بنا لیتے ہیں — خرچ بھی نعمت ہیں — بیماریاں بھی نعمت ہیں — تنگدستی بھی نعمت ہے — فکر و غم بھی نعمت — اگر صابر ہو بندہ تو وہ انتہائی عظیم نعمت ہے اپنے نتیجہ کے لحاظ سے — یہ وعظ فرما رہے تھے۔ کوئی چیز ہے ہی نہیں مصیبت — بندہ کو شکر ادا کرنا چاہئے — فرماتے تھے — کہ حضرت یہ وعظ فرما ہی رہے تھے کہ

ایک شخص داخل ہوا مجلس میں ـــ اور ہائے ہائے کرتا ہوا ـــ روتا ہوا ـــ چلاتا ہوا ـــ اب اس نے آکر عرض کیا حضرت! ایک ہفتہ سے یہ میرے بازو پر ایک بڑا دنبل نکلا ہوا ہے ـــ اور اتنی اذیت ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بیسیوں بچھو بیٹھے ہوئے ڈنک مار رہے ہیں ـــ ایک ہفتہ ہوگیا نہ ایک دانہ میرے منہ میں گیا ہے نہ میری آنکھ لگی ہے ـــ نیند بھی اُڑ گئی ـ بھوک بھی نہیں ـــ ہر وقت مصیبت میں ہوں ـ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت رفع کر دے ۔"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے دل میں سوچا اب حضرت کیا کریں گے! حضرت یہ فرما چکے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے نعمت بن کر آتی ہے ـــ یہ دنبل بھی نعمت ہے ـــ بیماری بھی نعمت ہے ـ اب اگر حضرت یہ دعا فرما دیں کہ اے اللہ! یہ دنبل بہت بڑی نعمت ہے اس میں اور زیادہ ٹیس بڑھا دے، زیادہ چمک پیدا کر دے ـ تو اضافۂ مصیبت کی دعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے ـ اور اگر حضرت یہ دعا کر دیں کہ یا اللہ! یہ بڑی مصیبت ہے اسے دفع کر دے ـــ تو اس کا مطلب یہ نکلا ـ کہ اے اللہ! جو نعمت دی تھی ـ وہ چھین لے ـــ تو سلب نعمت کی دعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے"ـــ تو فرماتے تھے کہ میں نے دل میں سوچا تھا کہ حضرت کچھ توجیہہ، تاویل کر کے پیچھا چھڑائیں گے ـ کیا جواب دیں گے اسے؟ اس واسطے کہ بڑا دنبل ہے ـــ بے حد تکلیف ہے ـــ وہ کہہ رہا ہے دعا کیجئے ـ تو دعا کریں گے کیا؟ ـــ ازالہ کی دعا کریں تو ازالۂ نعمت کی دعا ہے ـــ اضافہ کی دعا کریں تو اضافۂ مصیبت کی دعا ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شفقت کے خلاف ہیں ـــ تو اب حضرت مجبور ہو کر رہ جائیں گے ـــ مگر ـ

پیش اہل دل نگہدار اے دل
تا نباشید از گمانے بد خجل

اہل اللہ کے سامنے دل کو تھام کے رہنا چاہئے ـــ دل کی باتیں اُن کے دل پر منکشف ہوتی ہیں ـــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو خطرات گذرے ان کا انکشاف ہوا حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کے اوپر ـــ کہ ان کے دل میں یہ خطرات گذر رہے ہیں ـــ اُن خطرات کو محسوس کر کے حضرت حاجی صاحبؒ نے زور زور سے دعا مانگنی شروع کی تاکہ دعا بھی ہو اور جواب بھی ہو جائے ان کے خطرات کا ـــ دعا مانگنی شروع کی باآواز بلند کہ اے اللہ! یہ جو دنبل ہے اس بندے کے بازو پر نکلا ہوا یہ تیری بڑی بھاری نعمت ہے ـ اور یہ جو ٹیس چمک ہے اس میں ـ یہ تو اور بھی بڑا انعام ہے ـــ تیری عنایت کی دلیل ہے ـــ تیری توجہ کی دلیل ہے ـــ تو نے اس کے ذریعہ کفارہ کیا ہے اس کے گناہوں کا ـــ درجات بڑھائے ـــ یہ تیری بڑی نعمت ہے ـــ اے اللہ یہ دنبل بھی نعمت ـــ اس کی ٹیس چمک بھی نعمت اور یہ جو بے چارا ہفتہ بھر سے بھوکوں مر رہا ہے یہ بھی تیرا انعام ہے اس کے اوپر ـــ یہ ساری نعمتیں ہیں ـــ مگر اے اللہ! یہ بندہ ذلیل ہے ـــ بیماری کی نعمت کا تحمل نہیں اسے ـــ اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرما دے ـــ اس کا تحمل ہو جائے اس کو ـ گویا اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر دیا اور اس کے ازالے کی دعا بھی کر دی ـ یہ بتلا دیا کہ نعمتیں سب ہیں اللہ کی طرف سے مگر ہر نعمت کے قابل ہر بندہ نہیں ـ کوئی مصیبت کی نعمت کو سہتا ہے کوئی لذّت کی نعمت کو سہتا ہے ـ یہ اللہ جانتا ہے کہ میں کس کو کون سی نعمت کے ذریعہ تربیّت دوں ـــ بعضے وہ ہیں کہ اگر چار پیسے ان کے ہاتھ میں آ جائیں تو آپے سے باہر ہو کر فرعونِ بے سامان بن جاتے ہیں ـــ حق تعالیٰ ان کی تربیت تنگدستی سے کرتے ہیں کہ وہ مصیبت ہی میں ٹھیک ہیں ـــ مصیبت ہی میں ان کا ایمان سنبھل سکتا ہے ـــ اگر ان کو دولت دے دی جائے تو کفر میں مبتلا ہو جائیں ـــ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں بعض بندے وہ ہیں کہ اگر ان کے پاس پیسہ نہ رہے تو کاد الفقرُ ان یکون کفرًا ـــ ان کا فقر و فاقہ انہیں کفر میں مبتلا کر دے ـــ تو ان کو نعمت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ تربیت دیتے ہیں ـــ یہ تو دارو دینے والا جانتا ہے طبیب کہ کس کے واسطے کون سی دوا مفید ہے ـــ تو آزمائش وہاں نعمت کے ذریعہ بھی ہوتی ہے مصیبت کے ذریعہ بھی ـــ

بعض بندوں کو مصائب کے ذریعہ سے ترقی دیتے ہیں بعض بندوں کو نعمت کے ذریعہ سے ـــ بعضوں سے صبر کرا کے درجات بڑھاتے ہیں بعضوں سے شکر کرا کے ـــ غرضیکہ ہر بندہ ہر نعمت کے قابل نہیں ہوتا ـ تو حضرت نے دعا میں بتلا دیا کہ دنبل اور بیماری نعمت تو ہیں مگر ہر بندہ اس قابل نہیں ہے کہ اس نعمت کا تحمل کرے ـــ اس واسطے اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے ـــ اس کا تحمل ہوگا اس کے اندر ـــ دونوں چیزوں کا نعمت ہونا ثابت کر دیا ـــ

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے میں منہ دیکھتا رہ گیا حضرت کا کہ کنویں، پھانسی کے بیچ میں سے کیسے صاف نکل گئے ـ بات بھی کہہ دی ـــ اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر دیا ـــ اس کے زوال کی بھی دعا کر دی ـــ اور پھر بھی گویا شفقت کے خلاف نہ ہوا ـــ

حاصل یہ ہوا کہ مصائب کا نام مصیبت نہیں ہے فی الحقیقت مصیبت نام ہے قلب کی کیفیت کا ـــ اگر ان تنگدستیوں اور مصائب سے قلب پراگندہ ہو تو وہ مصیبت زدہ ہے انسان ـــ اور اگر قلب میں بے چینی نہ ہو تو قطعاً مصیبت نہیں ـــ چاہے ہزاروں مصیبتیں اُس کے گرد منڈلا رہی ہوں ـــ اس واسطے مصیبت نام ہے قلب کی کیفیت کا ـــ

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ـــ مصیبت کے تیروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ میاں تیر ماریں مصیبت کا تو ان کے پہلو میں آ جاؤ ـــ یعنی ذکر اللہ کے قلعے میں بند ہو جاؤ ـــ پھر تیر اثر نہ کریں گے ـــ تیر پڑیں گے مگر تاثیر نہیں ہوگی ـ قلب مگن اور مطمئن رہیگا ذکر اللہ کرنے والے کا قلب چونکہ وابستہ ہوتا ہے حق تعالیٰ سے ـ اس واسطے اس کے اندر بشاشت، سکون، طمانیت، تسکین یہ چیزیں ہوتی ہیں اور قلب ذکر اللہ سے خالی ہے اس پر اگر کوئی بھی مصیبت آئے گی تو بے چینی میں وہ ادھر اُدھر بھاگتا پھرے گا ـ کیونکہ اس کی نظر اسباب پر ہے اور اسباب سارے قبضہ میں ہوتے ہیں ـــ اللہ والے کی مد مسبّب الاسباب پر ہے ـ اور جو مسبّب سے

اپنا رشتہ باندھ لے وہ اسے کبھی محروم نہیں چھوڑتا ــــ حدیث قدسی ہے ــــ حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے ! تُو اپنی نعمت کے وقت میں مجھے یاد کر کہ تیری مصیبت کے وقت میں تجھے یاد رکھوں ــــ

بندے کا کام یہی ہے کہ نعمت کے وقت میں زیادہ یاد کرے اللہ کو ــــ جب مصیبت کا وقت آئے گا تو اللہ تعالےٰ یاد کرے گا اُسے ــــ اور جس بندے کو وہ یاد کریں وہ کبھی مصیبت زدہ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال مصائب کا علاج فی الحقیقت ذکر خداوندی ہے ــــ یادِ حق ہے ــــ اسباب کے درجہ میں آپ کرتے رہیں علاج ــــ مگر حقیقی چیز جس سے مصیبت ضائع ہوتی ہے وہ نام حق ہے ــــ وہ یادِ خداوندی ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ــــ

غرض حاصل یہ نکلا کہ دو ہی حالتیں ہیں دنیا میں ــــ ایک نعمت کی اور دوسری مصیبت کی ــــ تو نعمت کی حالت کا تقاضا ہے حمد و ثناء اور شکر ــــ اور مصیبت کی حالت کا تقاضا ہے پناہ جوئی اور صبر ــــ

قرآن کریم نے اپنے آغاز اور انجام ــــ ابتدا ہی میں یہ بتلا دیا کہ غلبہ رہنا چاہئے بندہ پر حمد و ثناء کا ــــ کتاب اللہ کا آغاز ہی حمد و ثناء سے کیا ــــ اور اس کے بعد تعوّذ، پناہ مانگنا، خدا کی پناہ میں آنا اور اس کے پہلو میں آنا ــــ دوسرا جذبہ یہ ہونا چاہئے کہ انتہا کی قرآن نے تعوّذ کے اوپر ــــ

تعوّذ ــــ اس میں مصیبت کے تمام اصول ذکر کر دئے ــــ ان سے پناہ مانگنی سکھلائی ــــ

سورۃ فاتحہ میں حمد و ثناء اور نعمتوں کے سارے اصول ذکر کر دئے ــــ ان پر حمد و ثناء کی گئی ــــ الحمد للہ رب العٰلمین ــــ حمد ہے ساری اللہ کے لئے ــــ کون اللہ؟ جو رب ہے ــــ پالنے والا ہے جہانوں کا ــــ کون پالنے والا؟ جو رحمٰن و رحیم ہے ــــ جو مالک یوم الدین ہے ــــ یہ کیوں کہا گیا؟ ــــ اس لئے کہ اللہ کا تعارف صفات ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے ــــ ذات تک تو رسائی بہت مشکل ہے ــــ پہلے ہم نام لیں گے اُس کا ــــ نام کے بعد صفات آئیں گی ــــ صفات کے بعد کہیں جا کر رسائی ہوگی ــــ تو سب سے پہلے بندے کو جس صفت سے سابقہ پڑتا ہے وہ ربوبیّت کی صفت ہے۔ پال پرورش کی صفت ہے ــــ

سب سے پہلے صفت تو خالقیّت کی ہے ــــ ہمیں پیدا کیا ــــ مگر جب ہم پیدا ہو رہے تھے اس وقت تو ہمیں اپنی خبر ہی نہ تھی ــــ ہم اللہ کو کیا پہچانتے ــــ اور جب پیدا ہو چکے ــــ اب ربوبیّت نے سنبھال لیا ــــ ہماری بقا کا سامان کیا ــــ تو بندہ پہچانتا ہے رب ہونے کی صفت کو ــــ خالقیّت کی صفت کو عقیدہ مانتا ہے اور ربوبیّت کی صفت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے ــــ تو تعارف انسان کا اللہ سے ربوبیّت کی صفت سے ہوتا ہے ــــ اس واسطے فرمایا گیا ــــ الحمد للہ ــــ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا ــــ ربوبیت کی صفت ہے اُس میں ــــ تاکہ تم پہچان سکو ــــ

ظاہر ہے کہ ربوبیّت اور پال پرورش نہیں ہو سکتی جب تک کہ شفقت نہ ہو ــــ اگر عداوت ہو تو پھر پرورش کیسے ہوگی؟ ــــ ایک بچہ ماں تو پال لیتی ہے مگر سوکن نہیں پال سکتی ــــ اس لئے کہ ماں کے دل میں محبت ہے ــــ سوکن کے دل میں عداوت ہے ــــ وہ تو چوٹی بھر کر یہ چاہے گی کہ بچہ ختم ہو جائے ــــ ماں نہیں چاہ سکتی ــــ تو پرورش ماں کر سکتی ہے ــــ سوکن نہیں کر سکتی ــــ اس لئے کہ ماں میں رحمت ہے، شفقت ہے ــــ

ربوبیت کا اثر نمایاں نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ رحمت موجود نہ ہو ــــ اس واسطے فرمایا رب العالمین ــــ الرحمٰن الرحیم ــــ رب ہے جہانوں کا ــــ اس لئے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے ــــ بڑی رحمت والا ہے ــــ اچھا تو اب کوئی رحمت اگر ہو تب بھی پرورش نہیں ہو سکتی جب تک سامان تربیت قبضہ میں نہ ہو ــــ ماں کے اندر شفقت ہے ــــ پالنا چاہتی ہے بچہ کو ــــ مگر ہاتھ پلّے پیسہ نہیں ہے۔ نہ دودھ لا سکتی ہے ۔ نہ غذا لا سکتی ہے ۔ نہ کپڑا لا سکتی ہے کہ بچّہ کو سردی گرمی سے بچائے ــــ تو پرورش کیسے کرے گی؟ ــــ شفقت تو ہے مگر سامان قبضہ میں نہیں ــــ مفلس ہے بیچاری ــــ تو ربوبیت اور پرورش نہیں ہو سکتی جب تک رحمت نہ ہو اور رحمت کے ساتھ ساتھ جب تک مالک نہ ہو سارے سامان کا ــــ

اس لئے الرحمٰن الرحیم کے بعد فرمایا۔ مالکِ یوم الدین ــــ اللہ رب العالمین بھی ہے رحمٰن و رحیم بھی ہے اور مالک ہے روزِ جزا کا ــــ یعنی اول تو اس جہان میں بھی وہی مالک ہے مگر یہاں اس کی ملکیت بغیر اسباب نمایاں ہو رہی ہے ــــ یہ ہماری آپ کی ملکیت درحقیقت اللہ ہی کی ملکیت ہے ــــ گو بلاواسطہ بھی وہ مالک ہے اور بالواسطہ بھی وہ مالک ہے ــــ مگر قیامت کے دن تو کوئی ہوگا ہی نہیں مالک ــــ تنہا اُن کی مِلک ہوگی ــــ اس واسطے مالک یوم الدین فرمایا ــــ روزِ جزا کا مالک ــــ تو رب بھی ہیں، رحمٰن بھی ہیں رحیم بھی ہیں، مالک بھی ہیں ــــ تو گویا باور کرا دیا حق تعالےٰ نے اپنا کہ وہ رب ہے اور جو رب ہوگا وہ یقیناً رحمٰن بھی ہوگا ــــ جو رحمٰن ہوگا رحیم بھی ہوگا ــــ اور جو رحیم ہوگا وہ مالک بھی ہوگا ــــ جو رب ہوگا وہ حفیظ اور محافظ بھی ہوگا ــــ جو رب ہوگا وہ مانع ہوگا ــــ عطا کرے گا نفع کی چیز اور روک دے گا نقصان کی چیزیں ــــ اس لئے کہ پرورش کرنے والا اگر نقصان سے بچا نہ سکے تو پرورش ہی کیا ہوئی؟ ــــ نفع کی چیزیں نہ پہنچا سکے تو پرورش نہیں ہو سکتی ــــ تو مالک بھی ہونا چاہئے، حافظ و محافظ بھی ہونا چاہئے اور رفیق و مہربان بھی ہونا چاہئے۔

تو ربوبیت کی صفت ایسی ہے کہ ساری صفتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں ــــ جو رب ہوگا وہ تمام صفات رکھتا ہوگا۔ اس واسطے ربوبیت کی شان سے اپنا تعارف کرایا حق تعالےٰ نے ــــ اور ربوبیت کے سارے سامان مہیّا کر دئے ــــ

ظاہر ہے ہر ہر سامان کے مقابلہ میں اُس کی حمد و ثناء کرنی چاہئے ــــ ہر ہر چیز کے مقابلہ میں شکر ہونا چاہئے ــــ اس لئے فرمایا ــــ الحمد للہ ــــ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ــــ اور انتہا کی جاکر تعوذ سے، پناہ جوئی سے، صبر سے ــــ جس میں گویا بتلا دیا گیا کہ قرآن کا پڑھنے والا یا قرآن پر ایمان لانے والا ــــ اُس کی شان یہ ہونی چاہئے ــــ کہ غلبہ اس پر حمد و ثناء

کا ہو — اور جو وقت نیچے تو پھر پناہ اللہ سے ڈھونڈتا رہے۔ تاکہ مصائب و آفات سے بچا رہے — یہ اختتام ہے قرآنِ کریم کا —

تو اس قرآن کریم کے اختتام پر یہ جلسہ گویا کیا گیا ہے اس لئے اس کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں یہ چند جملے میں نے عرض کئے — ظاہر بات ہے کہ جو لوگ اس قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنے اندر جگہ دینگے ایک طرف ان پر حمد و ثناء کا غلبہ ہوگا۔ شکرگذاری کا مادہ ہوگا ان میں — کفرانِ نعمت نہیں ہوگا — تھوڑی چیز مل جائے تو بہت شکر کریں گے — ایک طرف مصائب ہوں گے تو از خود رفتہ نہیں ہوں گے — پناہ مانگتے رہیں گے اللہ سے — اُس کی پناہ میں آتے رہیں گے — وہی بندے مقبول ہو جائیں گے —

ظاہر ہے قرآن کریم پڑھنے والے گویا مقبولیت کی راہ چل رہے ہیں۔ اور اس کے ختم کرنے والے مقبولیت کے مقام پر آ رہے ہیں — حق تعالیٰ ان کو قبول فرمائیں —

قرآن حکیم کو حدیث میں محادثہ مع اللہ فرمایا گیا ہے — یعنی اللہ سے اگر آپ کو باتیں کرنا منظور ہوں تو قرآن کریم کی تلاوت شروع کر لو — یہ اللہ سے مکالمہ ہے — باتیں ہیں — اور بعض آیتوں کا تو ہاتھ در ہاتھ جواب دیا جاتا ہے۔ جیسے فاتحہ کے بارے میں حدیث میں ہے کہ نماز میں جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فوراً جواب دیتے ہیں — حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ — میرے بندے نے میری حمد کی — جب کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فوراً جواب دیتے ہیں اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ بندے نے میری ثناء اور صفت کی — جب کہتا ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فوراً جواب دیتے ہیں مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ۔ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی — جب کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ آپ ہی سے مدد مانگیں گے — فرماتے ہیں ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ — یہ میرا اور میرے بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے — کہ میں معبود ہوں اور وہ عبد ہے اور عبد و معبود میں ایک رابطہ قائم ہے — جب یہ پڑھتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ مجھے ہدایت کیجئے۔ دکھلا دیجئے مجھے راستہ ہدایت کا سیدھا راستہ — تو جواب آتا ہے ھٰذا بینی و بین عبدی ولعبدی ما سئل — یہ میرا اور میرے بندے کا معاملہ ہے اور دیا میں نے جو اس نے مانگا —

تو بعض آیتوں کا فوری جواب دیتے ہیں — یا جیسے سورۂ بقر کی آخری آیتیں — حدیث میں ہے کہ جب پڑھی جاتی ہیں ان کا جواب دیا جاتا ہے فوراً — رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا فوراً جواب دیتے ہیں لا نؤاخذکم الخطأ والنسیان — ہم مواخذہ نہیں کرینگے بھول چوک کا — رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا اے اللہ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالئے جو پچھلی اقوام پر آپ نے بڑے بڑے بوجھ ڈالے۔ اور وہ نبھا نہ سکیں — جواب دیتے ہیں لا نحملکم ما لا طاقت لکم ہم بوجھ نہیں ڈالیں گے تمہارے اوپر جو تمہاری طاقت سے زائد ہو۔ تو بہت سی آیتیں جن کا فوری طور پر جواب آتا ہے اور بہت سی آیتیں ہیں کہ نصوص اور روایات میں موجود نہیں مگر حدیث میں فرما دیا کہ یہ اللہ سے باتیں کرنا ہے — معلوم ہوتا ہے اور آیتوں کا بھی کوئی جواب آتا ہوگا جس کو اہل دل سنتے ہیں — ہم عقیدہ کے کان سے سنتے ہیں۔ اہل دل اپنے دل کے کانوں سے سنتے ہیں — مگر جواب ضرور آتا ہے —

اس قرآن کریم کا پڑھنا، پڑھانا اور اس کو ختم کرانا دربارِ خداوندی کی حاضری ہے — ہر وقت کا مکالمہ ہے — اللہ سے بات چیت کرنا ہے — کسی حکومت کے سربراہ سے اگر آپ کو بات چیت کرنی ہو تو بہت دیر میں رسائی ہوتی ہے — وسائل اختیار کئے جاتے ہیں — کچھ سفارشیں کرائی جاتی ہیں — کچھ ملنے والوں سے راہ پیدا کی جاتی ہے تب جا کر رسائی ہوتی ہے اور اگر تین منٹ دے دئے بادشاہ نے یا سربراہ نے تو فخر سے آدمی کی گردن اونچی ہو جاتی ہے کہ تین منٹ اُس سے صدر نے بات چیت کی ہے — اور یہاں تو صدر الصدور اور بادشاہوں کا بادشاہ ہر وقت بات کرنے کو تیار ہے۔ جب تلاوت کرنے بیٹھ جاؤ — بس اللہ سے باتیں شروع ہو گئیں — جب قرآن کریم کو شروع کر دیا محادثہ مع اللہ شروع ہو گیا — تو ہر وقت آدمی کو حق ہے کہ اللہ سے بات چیت کرے —

تو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں رہنے والے وہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھاتے وہ ہر وقت اللہ سے بات چیت میں لگے رہتے ہیں — پھر قرآن کریم کے آثار ہیں جو انسان کے قلب کے اوپر پڑتے ہیں —

ہر کلام کا ایک اثر ہوتا ہے — اور متکلم کی صفات در اصل اُس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں — کلام آئینہ ہوتا ہے متکلم کے پہچاننے کا — جسے پہچاننا ہو کہ متکلم کیسا ہے۔ اُس کا کلام پڑھ لے آدمی —

زیب النساء اورنگ زیبؒ کی بیٹی تھی — تھی بڑی شاعرہ — جب کبھی دربار میں مشاعرہ ہوتا اُس کے بھی اشعار سنائے جاتے — عاقل خاں جو درباری تھا اورنگ زیبؒ کا — وہ بھی شاعر تھا۔ زیب النساء کے اشعار بڑے میٹھے ہوتے تھے ایک دن اس نے تمنا ظاہر کی کہ کاش میں زیب النساء کو دیکھتا — کتنی بڑی شاعرہ ہے — کیسی ذکی اور ذہین ہے — کیسا اونچا کلام ہے — یہ بات پہنچ گئی زیب النساء تک — تخلص تھا اس کا مخفی۔ اُس نے جواب دیا اور عاقل خاں کو یہ شعر لکھ بھیجا ؎

در سخن مخفی منم چوں برگِ گل در بوئے گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوتی ہوں جیسے گلاب کے پھول میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے — تو میں خود اپنے کلام میں چھپی ہوئی ہوں — جو مجھے دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے — تو میں اس میں جلوہ گر نظر آؤں گی — تو ہر انسان کے کلام سے اس کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے — اگر شاعرانہ کلام ہے تو فوراً پڑھ کر اسے کہیں گے کسی شاعر کا کلام ہے — علم بھرا ہوا ہے کلام میں — تو آپ کہیں گے کسی عالم کا لکھا ہوا کلام ہے — حکیمانہ کلام ہوگا تو آپ پہچان لیں گے کہ کسی حکیم نے کہا ہوگا — جاہلانہ باتیں ہوں گی تو آپ کہہ دیں گے کسی جاہل کی بات معلوم ہوتی ہے — غرضیکہ کلام پڑھ کر متکلم کے

(باقی ص۱۸ پر)

عطاء الحق قاسمی متعلم بی۔اے۔ایم۔اے، او کالج لاہور

کراچی میں محرّم

سنا تھا کراچی میں محرّم بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ اور ان دنوں لوگ حضرت امام حسینؓ سے بڑی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ دل میں خواہش تھی کہ اپنی آنکھوں سے عقیدت کے یہ مظاہرے دیکھوں۔ اب اسے چاہے میری خوش قسمتی کہہ لیجئے یا بد قسمتی۔ کہ امسال میری کراچی میں آمد کے تیسرے ہی دن بعد محرّم کا چاند دکھائی دیا —— اور محرّم کی تقریبات کا آغاز ہوّا۔ ویسے تو یہ تقریبات سارا سال ہی جاری رہتی ہیں مگر محرّم میں ان کا رنگ خاص ہوتا ہے جگہ جگہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ رات گئے تک لاؤڈ سپیکر گونجتے رہتے ہیں۔ اور سڑکوں پر جمگھٹا سا لگا رہتا ہے۔

میں نے بارہا ارادہ کیا کہ جا کر ان مجالس میں شریک ہوں مگر پھر رک گیا — آخر ایک دن ایک دوست کے مجبور کرنے پر "شامِ غریباں" کی تقریب میں شرکت کے لئے رضامند ہو ہی گیا۔

یہ نویں محرّم کا واقعہ ہے۔ جلسہ بھرا ہوّا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب سینکڑوں آدمی کھڑے ذاکر صاحب کی تقریر سُن رہے تھے جو پانی پی پی کر حضرت امام حسینؓ کے پیاسے رہنے کے واقعہ کو بیان کر رہے تھے۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اور ذاکر صاحب بھی بالکل ایسی ہی آواز نکالتے تھے۔ جیسے رو رہے ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ان کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ مجھ سے ذاکر صاحب کی یہ "اداکاری" نہ دیکھی گئی اور مَیں وہاں سے کھسک آیا۔

اس وقت شام ہو چکی تھی — اور سڑکیں قمقموں سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ بے فکرے نوجوانوں کی ٹولیاں عورتوں پر آوازے کس رہی تھیں۔

مَیں اور میرا رفیق لوگوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرحاں و شاداں چہرے اور زرق برق لباس پہنے ہوئے عورتوں کے ہجوم کو دیکھ کر میں سوچنے لگا کہ ہماری قوم حضرت امام حسینؓ کا سوگ منا رہی ہے یا کوئی جشن؟ اس وقت مجھے سیماب اکبرآبادی یاد آگئے۔ انہوں نے کیا خوب کہا تھا ؎

یہ نمائش یہ تماشے یہ تنوّع کاریاں
یہ شعارِ ناروا، یہ ساز یہ تیاریاں
یہ لباسِ نو میں اپنی شان و شوکت کی نمود
یہ نئے پردوں میں اوہامِ قدامت کی نمود
عورتوں کی بھیڑ مردوں کا ہجوم وازدہام
یہ محرّم کا مہینہ عید کی سی دھوم دھام

رستے میں جگہ جگہ سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس سال صرف کراچی میں تین ہزار سبیلیں لگائی گئیں۔ جن میں سے بیس کراچی کارپوریشن کی طرف سے تھیں۔ جہاں سے شربتِ گلاب مفت تقسیم ہوتا تھا۔

یہاں تک تو خیر ٹھیک ہے کہ پیاسوں کو پانی پلانا ایک مستحسن امر ہے اور اسی مقصد کے لئے سبیلیں لگانا قابلِ تعریف فعل۔ مگر سبیل کو رنگ برنگی پٹوں سے سجانا، جھنڈیاں لگانا اور اس طریق پر اسے سجانا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور مرحبا اور تحسین کے نعرے بلند ہوں۔ ہرگز قابل تعریف نہیں۔ مَیں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ کراچی میں لگائی گئی سبیلوں پر سینکڑوں روپے محض ان کی سجاوٹ پر خرچ کئے گئے تھے۔ اگر یہی روپیہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا تو حضرت امام حسینؓ کی روح کو کتنا سکون نصیب ہوتا؟ کاش ہم لوگ اس بات کو سمجھ سکیں

اب اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اور میرا رفیق گھر واپس چلنے کے لئے اصرار کر رہا تھا۔ ویسے بھی اب نیند مجھ پر غالب آ رہی تھی۔ چنانچہ ہم گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے —

دوسرے دن صبح ہی صبح میری آنکھ کھُل گئی۔ محلّے میں شور و غل کی وجہ سے کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ ڈھول بجائے جا رہے تھے اور کچھ لوگ دائرے میں ناچ رہے تھے۔ میں نے نماز ادا کی اور جلدی جلدی ناشتہ کرکے نیچے اُتر آیا۔ تاکہ اپنی قوم کو امام حسینؓ کا سوگ مناتے ہوئے دیکھ سکوں۔

میں نے دیکھا کہ ایک پتلا دبلا سا آدمی اپنے سے چھ گُنا بڑا ڈھول گلے میں ڈالے اسے زور زور سے پیٹ رہا تھا۔ اور چھ آدمی گلے میں ڈھولکیاں ڈالے دائرے میں ناچ رہے تھے۔ یہ بڑا عجیب و غریب رقص تھا۔ ناچنے والے چاروں طرف گھومتے تھے۔ ان کے چہروں پر عجیب وحشت چھائی ہوئی تھی۔ ارد گرد کی بلڈنگوں سے عورتیں اور بچّے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ عورتیں اوپر سے روپے نچھاور کر رہی تھیں۔ ڈھول بجانے والے جب روپے کی شکل دیکھتے تو ان کا رقص اپنے شباب کو پہنچ جاتا۔ اب وہ تھک چکے تھے۔ آخر ان میں سے بڑے ڈھول والا غش کھا کر گر پڑا۔ اور یہ خوفناک رقص ختم ہوّا —— اب مَیں اس طرف متوجہ ہوّا جہاں عورتوں کا مجمع لگا ہوّا تھا۔ دراصل یہ عورتیں ایک تعزیے کے گرد جمع ہو رہی تھیں۔ یہ تعزیہ کل میرے سامنے مکمل ہوّا تھا — اور آج عورتیں یہاں مرادیں مانگ رہی تھیں۔ ایک داڑھی والے "بزرگ" پاس کھڑے نذرانہ وصول کر رہے تھے۔ اور ان کے لئے دعا مانگتے تھے۔ اب دوسرے تعزیے بھی گذرنے شروع ہو گئے تھے۔ اس لئے عورتیں اور مرد یہاں سے منتشر ہونے شروع ہو گئے۔ چنانچہ میں بھی مین روڈ پر آگیا۔

مین روڈ پر بڑی رونق تھی۔ کھوّے سے کھوّا چل رہا تھا۔ عورتوں بچوں اور مردوں کا ایک سیلاب تھا جو بڑھتا چلا جا رہا تھا — مَیں اور میرا دوست خالد بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے — اور بندر روڈ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے ایک بہت بڑے جلوس نے گذرنا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچتے ہی جلوس گذرنا شروع ہو گیا میں بیان نہیں کر سکتا۔ کہ یہاں کتنا رش تھا۔ سڑکوں پر آدمی

دوکانوں پر آدمی، چھتوں پر عورتیں اور بچے۔ غرض جدھر دیکھو انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے سارا کراچی یہیں اکٹھا ہو گیا ہو۔ پولیس کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی۔ خود جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ جلوس کے ساتھ ساتھ باجے بھی بج رہے تھے۔ ہر قوم کا ماتمی جلوس الگ تھا۔ ہیجڑوں کا جلوس قابل دید تھا وہ خوب زور شور سے پیٹتے تھے۔ مگر سب سے زیادہ رش عورتوں کے ماتمی دستے کے قریب تھا۔ جو اپنے نازک ہاتھوں سے سینہ کوٹنے کے علاوہ اپنے بال بھی نوچتی تھیں۔ ان کے بعد مردوں کا جلوس تھا جو چھریوں سے اپنے جسم کو بُری طرح زخمی کر رہا تھا۔ ان میں سے جو بیہوش ہو کر گرتے تھے۔ انہیں فوراً طبی امداد بہم پہنچائی جاتی تھی۔ ایک مزے کی چیز جو اس جلوس میں نظر آئی وہ یہ تھی کہ جلوس کا رستہ صاف کرنے کے لئے آدمیوں کا ایک ٹولہ "سید سید" کہتا ہوا آگے کی طرف بھاگتا تھا اور لوگ یہ دیکھ کر ایک دم رستہ چھوڑ دیتے تھے۔

جلوس کے ساتھ ساتھ ہزاروں روپیہ کی لاگت سے تیار کردہ تعزیے بھی تھے۔ جنہیں بعد میں سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ان تعزیوں کو دیکھ کر میرا ذہن قوم کے ان غمخواروں کی جانب چلا گیا۔ جو قربانی کے خلاف محض اس لئے واویلا مچاتے ہیں کہ اس سے قوم کا روپیہ برباد ہوتا ہے۔ مگر انہیں ان تعزیوں کے متعلق کچھ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی جو قوم کو مالی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے کھوکھلا کر رہے ہیں۔

بہرحال جلوس بڑی دھیمی رفتار سے جا رہا تھا۔ اس لئے میں نے یہ محسوس کیا کہ اگر رفتار کا یہی عالم رہا تو شاید یہ منزل مقصود تک کبھی نہ پہنچ سکے۔ لہٰذا میں نے خالد سے کہا "چلو بھئی اب گھر چلتے ہیں"۔ کہنے لگا "ابھی تو تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں"۔ میں نے کہا "اب مجھ میں مزید کچھ دیکھنے کی تاب بھی نہیں ہے" اور اسے ساتھ لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔۔۔ رات کو بابستر پر لیٹ کر بھی سوچتا رہا "یا اللہ! ہماری قوم کا کیا بنے گا"؟

* * * *

بقیہ صفحہ ۶ جلسہ تقسیم اسناد

اوصاف کا پتہ چلتا ہے۔۔۔ آدمی پہچان لیتا ہے بات کرنے والا کیسا ہے۔

اسی اصول پر جب آپ قرآن کریم کو دیکھیں گے کہ قرآن پاک کلام ہے اللہ کا۔۔۔ اس کلام کو پڑھ کر اللہ کی صفات جلوہ گر نظر آئیں گی اس کے اندر۔۔۔ اُس کا جلال اور اس کا جمال۔۔۔ اُس کی قدرت اور اس کا اکرام اور اس کا انعام، یہ تمام صفات آپ کو نظر آئیں گی۔۔۔ ظاہر ہے اس کلام کو جب بار بار آدمی پڑھے گا۔۔۔ تو بار بار ان صفات کا ورود ہوگا آدمی کے قلب پر۔۔۔ تو متخلق ہوگا آدمی اخلاق اللہ سے۔۔۔ متصف ہوگا اوصاف خداوندی سے اور وہی آثار اس کے قلب پر پڑیں گے۔۔۔ اس میں رحیمی، کریمی، سمیعی، بصیری یہ تمام صفات رفتہ رفتہ آنی شروع ہوں گی۔۔۔ تو قرآن کریم کے ساتھ اشتغال رکھنا، شغل رکھنا، فقط تلاوت نہیں۔۔۔ فقط علم نہیں۔ بلکہ وہ خاص صفات اور کیفیات بھی ہیں جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔۔۔ وہ آدمی کے اندر جلوہ گر ہوتی ہیں اور پڑھنے والا آخرکار ایک ربانی آدمی بن جاتا ہے۔۔۔ جس میں خدائی اوصاف جلوہ گر ہوتے ہیں۔۔۔ مقبولانِ الٰہی میں سے ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم ایک جامع چیز ہے۔ اس کے الفاظ کو دیکھو۔ اس سے بہتر فصیح و بلیغ کلام کوئی نہیں۔۔۔ اگر وظیفہ کی نگاہ سے دیکھو، اس سے بہتر وظیفہ کوئی نہیں اگر علم کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بڑھ کر اس سے زیادہ جامع اور جامع العلم کتاب کوئی نہیں۔۔۔ قانون کے نقطۂ نظر سے دیکھو تو اس سے زیادہ جامع قانون کوئی نہیں کہ پوری زندگی پر حاوی ہو۔۔۔ اگر کیفیات کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بہتر کیفیات ڈالنے والا کلام دوسرا نہیں۔۔۔ غرض ہر پہلو سے کمال ہی کمال کا پردہ دار ہے۔۔۔ اس لئے قرآن کریم کو پڑھنے والے، شغل رکھنے والے درحقیقت اللہ کے ساتھ شغل رکھتے ہیں۔۔۔ بات چیت بھی اُس سے ہے۔۔۔ اس کے اوصاف بھی لے رہے ہیں، اُس کے کمالات بھی اپنے اندر جذب کر رہے ہیں تو یہ انتہائی مبارکبادی کی چیز ہوتی ہے۔

اِس وقت جن لوگوں کو سندیں تقسیم کی گئی ہیں درحقیقت وہ مستحق ہیں مبارکباد کے۔۔۔ ایک ایسے کلام کو انہوں نے اپنے اندر لیا ہے کہ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی روح نہیں ہو سکتی۔۔۔ جو زندہ کرنے والی روح ہے۔۔۔ قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے روح فرمایا ہے۔۔۔ و کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا۔۔۔ اے پیغمبرؐ ہم نے وحی کی آپ کی طرف۔۔۔ کاہے کی۔۔۔ روح من امرنا۔ اپنے امر کی روح ہم نے آپ کے اندر ڈال دی۔۔۔ اس نے آپ کو زندہ کیا۔ یہی روح قرآن کریم کی جب صحابہ میں پہنچی تو وہ زندہ ہوئے۔۔۔

قرن اول کی زندگی قرآن ہی سے وابستہ ہے۔ دل کے اندر سما گیا قرآن تو وہی لوگ جو جہلائے عرب کہلاتے تھے وہ عقلائے عالم بن گئے۔۔۔ جو مشرکین کہلاتے تھے وہ اعلیٰ ترین موحد بنے۔ جو راہزن تھے وہ رہبر بنے۔ یہ انقلاب اس قرآن کریم ہی نے پیدا کیا۔۔۔ اس کلام پاک ہی نے پیدا کیا۔۔۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

اس امت کے اخیر کی اصلاح اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اول طبقہ کی اصلاح ہوتی ہے۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کی اصلاح اس قرآن سے ہوئی۔۔۔ آج بھی یہی قرآن اصلاح کا ضامن اور ضمانتدار بن سکتا ہے۔۔۔ اس کا علم اور اس کے کمالات ہی انسان کو انسانیت کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

مبارکباد کے قابل ہیں وہ افراد کہ جنہوں نے اس کو سیکھا۔۔۔ اس کو پڑھا اور اس کے بعد سند حاصل کی۔ اور علامت حاصل کی۔۔۔ جو علامت ہے ان کے بلوغ کی کہ وہ اس راہ کے اندر بالغ ہو گئے۔۔۔ اب ان کی ذریت بن سکتی ہے۔۔۔ اب ان کی روحانی نسل چل سکتی ہے۔۔۔

میرا مقصد اس وقت کوئی تقریر یا وعظ نہیں بلکہ تبریک یا مبارکباد دینا تھی اُن حضرات کو جنہوں نے پڑھا کہ طلباء کو آگے کیا۔ اور ان طلباء کو جنہوں نے پڑھ کر سند حاصل کی۔۔۔ حق تعالیٰ ان کے حق میں اس قرآن کریم کو حجت بھی بنائے۔۔۔ امام بھی بنائے۔۔۔ رحمت بھی بنائے۔ ذریعہ نجات بھی بنائے اور وسیلۂ ترقی بھی بنائے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

نثیر افضل جعفری، جھنگ شہر

تِری سرکار بڑی ہے مولا
تُو تو رحمت کی جھڑی ہے مولا

ترے کُوچے کے حسین ذرّوں کی
آنکھ تاروں سے لڑی ہے مولا

تِری فطرت میں نگینے کی طرح
سورۂ نور جڑی ہے مولا

ترے ہونٹوں پہ حدیثِ قُدسی
پھول کلیوں کی لڑی ہے مولا

یہ بتا عرشِ بریں کی رفعت
کیوں ترے پاؤں پڑی ہے مولا

ہاتھ باندھے ہوئے ساری دنیا
تِرے قدموں میں کھڑی ہے مولا

صحنِ دانش میں تِری عظمت کی
آج تک لاٹھ گڑی ہے مولا

آبلہ پا ہیں تِرے دیوانے
اور منزل بھی کڑی ہے مولا

رحم فرما کہ زمانے کے لئے
یہ قیامت کی گھڑی ہے مولا



رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ایڈیٹر
عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C. ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

ایجنٹ حضرات کی فوری توجہ کے لئے

ایجنٹ حضرات پر بخوبی واضح ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ہفتہ وار خدام الدین محض قال اللہ وقال الرسول کی آواز عام کرنے کی غرض سے شائع کرانا شروع کیا تھا کوئی تجارتی غرض یا دنیوی طمع اس سے مقصود نہ تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی پوری رعایت رکھی تھی کہ خواص وعوام یکساں طور پر اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس کی قیمت چار آنے تجویز فرمائی تھی۔ بحمد اللہ حضرت اقدسؒ کے خلوص نیت اور جذبۂ للٰہیت کے باعث اس وقت پرچہ کی اشاعت پندرہ ہزار سے زائد ہے جو دونوں ملکوں پاکستان اور بھارت میں کسی بھی ہفت روزہ سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ کتاب وسنّت کے خلاف اشتہار شائع کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ صرف پرچہ کی فروخت سے کتابت، طباعت، سٹاف کی تنخواہ وغیرہ کا انتظام بمشکل ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل سب کے لئے سامان عبرت ہونا چاہئے کہ آخری دم تک اپنے پرچہ کی رقم چار آنے بھی اپنی گرہ سے ادا کرتے رہے۔

صد افسوس ہے کہ بعض ایجنٹ حضرات اس مثال کے ہوتے ہوئے بھی غفلت کوشی سے کام لے رہے ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل ہمارے لئے کئی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے اور پرچہ انتہائی مشکلات سے دوچار ہے۔

اگر ان کے اس مجرمانہ تغافل کے باعث پرچہ کو نقصان پہنچا تو وہ عند اللہ بھی جوابدہ ہونگے کہ انہوں نے دین کے کام میں روڑا اٹکایا اور تادیبی کاروائی سے بھی ادارہ کسی صورت میں گریز نہیں کرے گا۔ اس طرح وہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوں گے۔

آخری نوٹس چنانچہ کئی مرتبہ توجہ دلانے کے باوجود ہم ایک بار ۱۰ رجون تک آپکے بلوں کی ادائیگی کا مزید انتظار کرینگے اس کے بعد پرچوں کی ترسیل بند کرنے کے علاوہ عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اور ہم ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور ادارہ کو پریشانیوں سے نجات دلائیں۔

(مینجر)